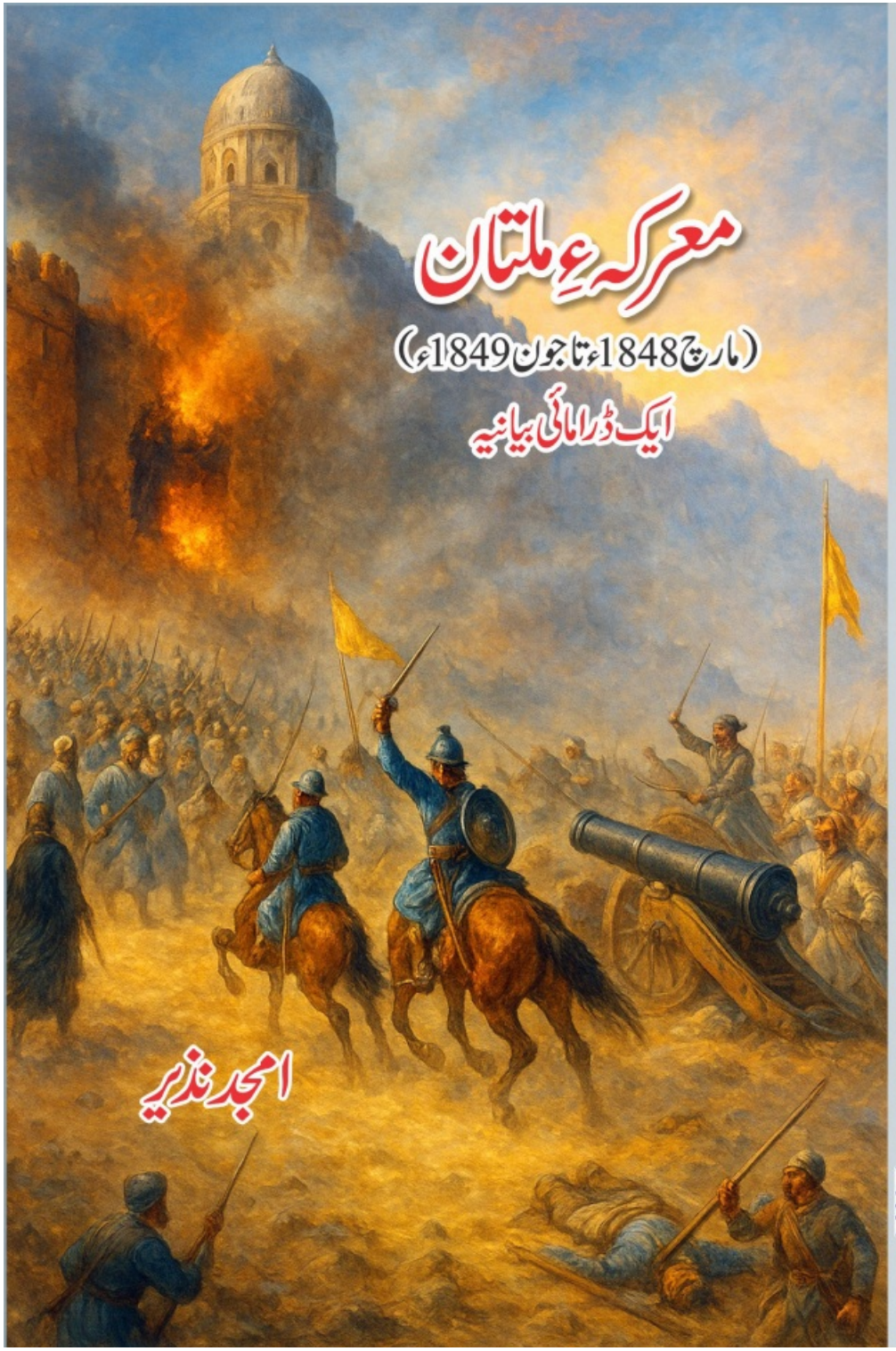

معرکہءِ ملتان ایک ڈرامائی بیانیہ

امجد نذیر

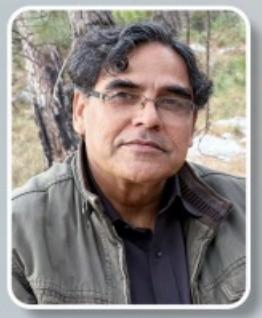

بنیادی طور پر امجد نذیر اینتھروپالوجسٹ (بشریات دان) ہیں۔ بشریات چونکہ تاریخ، تہذیب، ادب، ثقافت اور لسانیات کے ملغم کا ماحصل علم ہے اِس لئے تاریخ سے اُن کی دلچسپی فطری ہے۔ تاہم تاریخی بیانیوں میں حالات و واقعات بدلے بغیر ادبی اسلوب و انداز اختیار کرنا اُن کے انفرادی میلان کا اظہار ہے۔

امجد نذیر نے ملتان کا محاصرہ یاد دلا کر ایک طرح سے یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ پونے دو صدی پہلے لاہور کی جانب سے ملتان کا جو استحصال شروع ہوا تھا وہ کسی نہ کسی شکل میں آج بھی جاری ہے۔ انگریز استعمار نے ملتان کو سیاسی، اقتصادی اور ثقافتی حوالے سے ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا۔ ملتان کی صدیوں سے مسلم ریاستی اور صوبائی حیثیت کو ختم کر کے، اُسے ایک انتظامی ڈویژن بنا کر پنجاب کا نیا صوبہ تشکیل دے کر اُس میں شامل کر دیا۔

مظہر عارف

''برطانوی عسکری مورخوں اور اپنی یادداشتیں لکھنے والے دوسرے فوجی افسران، سکھ اور پنجاب کے دوسرے مورخین کے ''پروٹا گونسٹ'' اور ''اینٹا گونسٹ'' کو تل وطنی زاویے سے دیکھنے کی کوشش کی ہے تا کہ ملتان دھرتی کا دفاع کرنے والوں کو تاریخ میں ان کا درست ترین مقام دلوایا جا سکے۔''

یہ وہ فکر ہے جو امجد نذیر کی اس تصنیف کی روح ہے۔ اصل ہیرو اس دھرتی کے وہ سپوت تھے جو خواہ کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتے ہوں، انہوں نے استعماری قوتوں کے خلاف مزاحمت کی، جانیں قربان کیں، وہ گُم نام رہے لیکن اصل ہیرو وہی تھے جنہیں امجد نذیر ''سپاہِ ملتان'' کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

نعمت الحق

سُخن سرائے پبلی کیشنز۔ ملتان
sukhan.saraye@gmail.com
0301-7434323,0333-6151765

معرکہءِ ملتان

(مارچ 1848ء تا جون 1849ء)

ایک ڈرامائی بیانیہ

معرکہءِ ملتان (مارچ 1848ء تا جون 1849ء)

''رات پُراٹے قلعے تے ہِک عارف مست قلندر
مَیلے کپڑے، حال پریشاں، کاسہ گَل دے اندر
نَچے ٹپے وجد دے وِچ، عرفان دے گیت سناوے
ہِک مِٹی دا بھُرکا چاوے، پھُوکیاں نال اُڈاوے
آکھے اِیں مِٹی دے اَندر، ڈیکھو کئی سلطان، سکندر
بادشاواں دیاں ہڈیاں رُل گیاں، ڈیکھو خاک دے اندر''

(حسن رضا گردیزی)

معرکہءِ ملتان

(مارچ 1848ء تا جون 1849ء)

ایک ڈرامائی بیانیہ

امجد نذیر

سُخن سرائے پبلی کیشنز۔ ملتان
sukhan.saraye@gmail.com
0301-7434323,0333-6151765

جملہ حقوق محفوظ ہیں:
اس کتاب کا کوئی حصہ بھی مصنف/ پبلشر کی باقاعدہ تحریری اجازت کے بغیر کہیں بھی شائع یا براڈ کاسٹ نہیں کیا جا سکتا۔ اگر اس قسم کی کوئی بھی صورتحال پیش آئی تو مصنف/ پبلشر کو قانونی کارروائی کا حق حاصل ہوگا۔

کتاب	–	معرکہءِ ملتان (مارچ 1848ء تا جون 1849ء)
مصنف	–	امجد نذیر
باراوّل	–	جنوری 2026ء
سرورق	–	ارشد عباس ذکی
کمپوزنگ	–	فہد خالد، منتظر مہدی
تعداد	–	500
قیمت	–	1000 روپے
پرنٹر	–	فلک شیر پرنٹنگ پریس، ملتان
بائنڈر	–	غلام مصطفیٰ بک بائنڈنگ، ملتان
تقسیم کار	–	سانجھ پبلی کیشنز، لاہور

ISBN: 978-969-7929-07-8

سُخن سرائے پبلی کیشنز۔ ملتان
sukhan.saraye@gmail.com
0301-7434323,0333-6151765

والدہ مرحومہ کے نام

جنہوں نے نیم خواندہ ہونے کے باوجود ہمیشہ ہمیں لکھنے پڑھنے کی ترغیب دی

ملتان سے پٹھان کوٹ (بھارت) کوچ کر جانے والے ایک شاعر کا ملتان سے اظہارِ عقیدت

ارضِ ملتان تجلی گہِ حسنِ مشرق
اے پری پیکر و طنار حسینوں کے وطن
سرفروشوں کے وطن، حوصلہ مندوں کے وطن
سُورماؤں کی، سرافراز جوانوں کی زمیں
ارضِ ملتان ترے لاڈلے جانبازوں نے
اپنی شمشیر سے روکے تھے سکندر کے قدم
تیرے محلوں، تیری سنگین فصیلوں نے کبھی
اہلِ غزنی سے بھی افسانۂ شمشیر سُنا
عہدِ حاضر ترے ماضی سے سِوا روشن ہے
کشورِ پاک کا رنگین طرب زار ہے تُو
اب بھی ہے اوجِ ثریا پہ مقدر تیرا
مملکت کے لیے اک دولتِ بیدار ہے تُو
آہ اے جاذبِ دل مست نظاروں کے وطن
آج ہے دور ، بہت دور تری محفل سے
تیری آغوش کا پروردہ شبابِ محزوں
جس کی تعمیر ہوئی تیرے ہی آب و گِل سے

شباب للت، پٹھان کوٹ (بھارت)

فہرست

حرفِ آغاز و تسلیمات	امجد نذیر	9
محاصرۂ ملتان کا پس منظر	جاوید اختر بھٹی	12
ہم تاریخ کیوں پڑھتے ہیں	مظہر عارف	20
معرکہ ءِ ملتان۔ایک ڈرامائی بیانیہ	نعمت الحق	22
تعارف	امجد نذیر	25

.....☆☆☆.....

پہلا باب:

اندرون ملتان اور گرد و نواح کا ماحول (وسط انیسویں صدی کا منظر) 33

دوسرا باب:

لیفٹیننٹ وانس اگنیو اور لیفٹیننٹ ولیم اینڈرسن کی ہلاکت اور پیش منظر 53

تیسرا باب:

سِندھ اور چناب کے دوآبوں میں گھات بازی 72

چوتھا باب:

سدُوسَام کے مقام پر معرکہ آرائی 80

پانچواں باب:

اُمید و بیم، ندی کنارے جھڑپیں اور ہلاکتیں 92

چھٹا باب:

جوگ مایا اور سورج کُنڈ پر کشت و خون 104

ساتواں باب:

بالآخر ملتانی مزاحمت کاروں کے پاؤں اُکھڑنے لگے 115

آٹھواں باب:

برطانوی یلغار اور قلعہ بند مزاحمت کی تیاری 121

نواں باب:

سپاہِ ملتان کی مضمحل مزاحمت اور پسپائی 127

دسواں باب:

برطانوی افواج کے خوفناک حملے اور قلعے کا اِنہدام 133

گیارہواں باب:

محاصرۂ ملتان میں اَشرافیہ کا کردار 140

بارہواں باب:

اندرون شہر کا ہولناک منظر 145

تیرھواں باب:

ملتانی خزانے کی غاصبانہ لوٹ مار 153

چودھواں باب:

مولراج کا سرنڈر 158

پندرہواں باب:

برطانوی پارلیمان اور اخباری ردِعمل 166

ماخذات و حوالہ جات 173

☆☆☆

حرفِ آغاز و تسلیمات

اندرون ملتان کی تنگ و تذویراتی گلیاں، بازار، محلے اور باریش بزرگوں کی طرح ٹھہرے ہوئے قدیم وجلیم مکانات مجھے بچپن سے ہی مسحور کرتے رہے ہیں۔ جیسے جیسے میں بڑا ہوتا گیا یہ پُراسراریت اور کشش کم ہونے کی بجائے بڑھتی چلی گئی۔ اِسی طرح قلعہ کُہنہ کی قدامت، ساخت، ڈھلانیں، دروازے، دیواریں، بُرجیاں اور چبوترے بھی میرے ذہن میں طرح طرح کے مفروضے اور سولات اُٹھاتے رہے ہیں۔ گرم و سرد ہواؤں سے ہمکلام دمدمے پر ٹھہر کر شہر کا نظارہ کرتے ہوئے آج بھی خیال آتا ہے کہ اپنی جوانی کے دِنوں میں اِس قلعے کی کیا حشمت اور کیا وجاہت ہوگی کہ آج بھی ایسے مقام، ایسی تعمیر اور ایسی اِستقامت دیکھ کر کوئی بھی فرد اِس کی تہذیبی اور تادیبی شان وشاہ تاجیّت سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

مگر یہ کشش، یہ اَسرار، یہ دلچسپی مجھے کبھی شعوری طور پر تاریخ نگاری کی طرف نہیں لے گئی ہر چند کہ ملتان کی قدیم اور کچھ بعد کی تاریخ وقتاً فوقتاً زیرِ مطالعہ رہی ہے لیکن تاریخ نگاری میرا موضوع نہیں رہا اور نہ ہی میری علمی تربیت کا حصہ کیونکہ تاریخ نگاری، اور وہ بھی آج کے دور میں جب ہر دوسرے اِظہار و بیان کی سند طلب کی جاتی ہے، ایک مشکل ترین ڈِسپلن کی شکل اختیار کر چکی ہے۔ مذکور و معروف ''محاصرۂ ملتان'' کو، جسے اِس کتاب میں ''معرکہءِ ملتان 1848ء تا 1849ء'' کا نام دیا گیا ہے، اپنے انداز و اُسلوب اور تاریخی صحت سمیت اپنے زاویہءِ نگاہ سے لکھنے کی ابتداء انتہائی غیر رسمی اور غیر ارادی طور پر اُس وقت ہوئی جب ہمارے تاریخ شناس دوست مظہر عارف سے کسی نشست میں اِس کا ذکر

ہوا اور اُنہوں نے ''جاہن جونز کُولے'' کا کتابچہ ''دی سیج آف ملتان'' پڑھنے کو دیا۔ اِس کتابچے کو پڑھتے ہی میرے مشاہدے اور مطالعے کی آمیزش سے کئی ایک خاکے، تصویریں، اور مناظر میرے ذہن کے پردے پر شکل پذیر ہونے لگے جیسے کسی کہانی، ڈرامے یا ناول کا تاریخی پس منظر، حالات و واقعات اور کردار نوزائیدگی سے شباب کا سفر طے کرتے ہیں۔ بعد میں مظہر صاحب نے پہلے مسودے کا مطالعہ کر کے اچھے مشوروں سے نوازا جس سے جو کچھ بھی سامنے ہے کافی بہتر ہوا اور پھر اُنہوں نے کتاب ہذا کا تعارف لکھ کر بھی شکریے کا موقع دیا۔

ملتان کی عمومی تاریخ کے حوالے سے جاوید اختر بھٹی صاحب سے بھی وقتاً فوقتاً گفتگو رہی جس سے قدیم ملتان کی تعمیر اور امتدادِ زمانہ کے ہاتھوں دست بُرد وغیرہ کے بارے میں بہت سے پہلو واضح ہوئے۔ پھر میری درخواست پر اُنہوں نے بھی سانول مَل اور مولراج کی شخصیت پر روشنی ڈالی جس کے لئے میں اُن کا تہہِ دل سے مشکور ہوں۔

ڈاکٹر نعمت الحق صاحب نے جس محبت اور محنت سے مسودہ پڑھا۔ اشاعت کے لیے مشورہ دیا۔ زبان و بیان کے حوالے سے کئی ایک چھوٹی چھوٹی درستگیاں کیں اور ساتھ ہی ساتھ کئی ایک جزوی پہلوؤں اور خالی جگہوں کی جانب توجہ مبذول کروائی جو بوجوہ رہ گئے تھے یا راقم کے ذہن سے نہیں گزرے تھے۔ اِس تعاون کے لئے جس قدر اُن کی سپاس گزاری کی جائے کم ہوگی۔ سخن سرائے پبلشرز کے ارشد عباس ذکی نے بھی کافی محنت اور سلیقے سے مسودہ نستعلیق رسم الخط میں ڈھالا اور اشاعت کے دوسرے لوازمات پورے کیے، جس کے لئے راقم اُن کا شکرگزار ہے۔

ایک اہم ترین تشکر جناب مشتاق گاڈی کا بھی مجھ پر لازم ہے۔ گاڈی صاحب کی سرائیکی زبان اور وسیبی تاریخ پر گہری نظر کا سارا وَسیب معترف ہے۔ مگر زیرِ نظر کتاب کا

آخری باب یعنی ''برطانوی پارلیمان اور اخباری ردِعمل'' کو، جو پہلے کہیں کہیں غیر منظّم طریقے سے کتاب کے آخری ابواب میں شامل تھا، منظّم طریقے سے لکھنے کا خیال اُنہی کے ساتھ گفتگو میں سامنے آیا جس پر راقم نے بعد میں تحقیق کر کے جاننے، سمجھنے اور دوبارہ لکھنے کی کوشش کی۔ اِس لیے ضروری ہے کہ خصوصی الفاظ میں اُن کی تہنیت گزاری کی جائے۔

آخر میں اپنی شریکِ حیات حفصہ تسنیم کا شکریہ بھی مجھ پر لازم ہے کیونکہ اگر وہ ساری ذمہ داریاں سنبھال کر مجھے وقت فراہم نہ کرے تو شاید مجھ سے کوئی بھی تخلیقی اور تحریری کام نہ ہو سکے۔

امجد نذیر

جنوری 2026ء

اسلام آباد

محاصرۂ ملتان کا پس منظر

دیوان ساون مل نے اپنی دانش مندی اور فہم و فراست کی وجہ سے ملتان اور اس کے گردونواح میں طویل عرصہ یعنی 1824ء سے 1844ء تک مستحکم حکومت کی، لیکن اس کا جانشین دیوان مول راج نسبتاً ضدی، ہٹ دھرم، سخت گیر اور کم فہم شخص ثابت ہوا۔ سب سے پہلے دیوان ساون مل نے اُسے جھنگ کا حکمران بنایا تھا لیکن جھنگ کے لوگ بھی اُس کی سخت گیری کی وجہ سے ہمیشہ بیزار اور ناخوش رہے اور دیوان ساون مل سے وقتاً فوقتاً اُس کی شکایت بھی کرتے رہے۔ دیوان نے اُسے لوگوں سے نرمی کا برتاؤ کرنے کی ہدایت کی لیکن اس پر کوئی خاص اثر نہ ہوا۔

رنجیت سنگھ کی موت کے بعد لاہور دربار میں انگریزوں کا عمل دخل بڑھ گیا اور اُس کے جانشین محض علامتی راجہ رہ گئے تھے۔ اس کے باوجود لاہور دربار نے دیوان ساون مل کی موت کے بعد اس کے بڑے بیٹے مول راج کو ناظمِ ملتان کا منصب عطا کیا۔ مگر وہ اپنی نااہلی اور غیر دانش مندی کی وجہ سے اس منصب کو زیادہ دیر برقرار نہ رکھ سکا۔

اُس عہد کے دو بڑے مورخ سید مراد شاہ گردیزی اور منشی حکم چند محاصرۂ ملتان کے عینی شاہد ہیں جس میں مول راج کو شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ کیونکہ وہ انگریزی فوج اور خالصہ سرکار کا مقابلہ نہ کر سکا۔ اس کی کئی اندرونی اور بیرونی وجوہات اور بھی تھیں جس میں چند ایک آگے چل کر واضح ہو جائیں گی۔ سید مراد شاہ گردیزی ''تاریخِ مراد'' (جلد چہارم تصنیف، 1872ء تا 1875ء) میں لکھتے ہیں:

''دیوان ساون مل کے بڑے بیٹے مُول راج کو لاہور دربار سے تیس لاکھ مبلغ نذرانہ ادائیگی کی شرط کے ساتھ جانشین مقرر کیا گیا اور دیوان کے خطاب سے نوازا گیا اور خلعتِ خاص بھی دی گئی۔ ساتھ میں ایک ہاتھی اور حفاظتی دستہ سپاہیوں کا بھی عطا کیا گیا۔

پھر بغیر صلاحِ افسران کے فوج کو طلب کر کے سرفراز خان کی خاص فوج کو شکست دی اور پھر دیوان پیغامِ اضافہ کے تحت جب اضافی رقم انعام میں ملی تو دیوان نے پیغام دیا کہ لاہور میں جو مشیرِ اعظم مقرر ہوتا ہے وہ لالچ کے پیشِ نظر اضافہ کر دیتا ہے۔ مجھ کو نہ کوئی ایسی ضرورت ہے اور نہ طمع جس کی وجہ سے میں مراعات میں اضافہ کروں۔

''تازہ دم مُستعد سپاہی تیار ہوئے اور دیوان نے بذاتِ خود چھاؤنی میں جا کر پلٹن خاص میں افسروں کے ساتھ تھوڑے فاصلے پر کھڑے ہو کر تین افسروں کو سمجھانے کی غرض سے بلایا اور ان کو سمجھانا شروع کیا۔ اِتنی دیر میں تھوڑے تھوڑے سپاہیوں نے اس غرض سے دیوان کا احاطہ شروع کرنا چاہا مگر دیوان مُول راج بروقت آ گیا اور ان کے جمع ہونے سے پہلے ہی اس نے پیادہ افواج مُتعیّن کر لی اور احمد خان وغیرہ دوسرے عام و خاص افواج کو حکم دیا۔ پلٹن خاص کے محاذی صف آراء ہو جائیں اور غفور خان جمعدار کمدان توپ خانہ عام و خاص کو مناسب جگہ پر قائم کریں۔ اور بندا سنگھ جمعدار توپ برج خانقاہ شاہ رکن عالم بروقت اتواپِ سپاہیان مُفسدین کے گولہ زنی شروع کرے اور خود بھی کرم نرائن (چھوٹا بھائی مولراج) کے ساتھ جنگ میں شامل ہوا۔ اور جب توپ و تفنگ اور زہوزہ چلنے لگے تو سرفراز خان کمدان اور ہرداس کی فوج موقع پا کر مول راج کے ساتھ شامل ہو گئی۔ اور علی خان کمدان پر بھی شک ہوا کہ وہ گولہ باری کرتا ہے۔ سوءِ اتفاق چند شر پسند سپاہی عیدگاہ کا تالا توڑ کر گولہ بارود نکالنے لگے۔ میگزین میں آگ لگ گئی اور عیدگاہ کا آدھا گنبد دھماکے سے اڑ گیا اور اُن شر پسند سپاہیوں نے بہت نقصان کیا اور انہوں نے پلہ (پلو) ہلا دیا۔ پھر علامتی صلح بھی کی اور دیوان، بارِ اِمکان خود پہنچا اور تھوڑے دن بعد دیوان اور کرم نرائن کے درمیان جھگڑا ہو گیا اور دیّا رام بیٹی کی شادی کا بہانہ کر کے چھٹی لے کر گھر چلا گیا تو اُس وقت دیوان نے پہلے فوج کے امور اور بعد میں قلعے سے متعلق تمام امور کرم نرائن کے سپرد کیے۔ جمعدار قادر بخش وغیرہ کو اشتعال دلایا کہ فوج اور خزانے پر کرم نرائن کو اختیارات دینا کچھ مناسب نہیں اور دوسری طرف کرم نرائن کے مصاحبان اور مشیروں کو کہا کہ آپ قلعہ کی

چار دیواری کا انتظام سنبھالیں تو اُس نے کہا کہ سارے ملک پر اختیار تو دیوان مول راج کا ہے اور ہر جگہ اُس کا حکم چلتا ہے تو اُن میں تھوڑا سا نفاق پیدا ہوا۔ کرم نرائن علی الصباح قبل از کچہری نہرؤ دیوان مقامِ بالا خانہ سقف عام و خاص جایا کرتا تھا۔ دیوان مولراج نے اپنے خفیہ سپاہیوں کو اس مکان کے کونوں میں بھاری اسلحہ کے ساتھ کرم نرائن کی آمد و رفت کے مشاہدے پر مامور کیا۔ اشارہ ہونے پر سپاہی تلواریں بلند کرتے ہوئے اُس کے سر پر پہنچے اور کرم نرائن کو قید کر لیا۔''

''۔۔۔اور حاضرین وہاں سے اُتر کر نیچے آنے لگے۔ سب سے پہلے قادر بخش جمعدار سقف سے (چبوترے سے) زینوں پر اُترتا ہے کہ جمعدار علی خان جو کہ ہمہ وقت کرم نرائن کے ساتھ ہوتا تھا، اُس کی قید کی خبر سن کر تلوار اٹھائے سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ اُس نے قادر بخش کو دیکھ کر تلوار کو زور سے جو ہٹایا تو تلوار چھت سے جا ٹکرائی اور قبضے سے الگ ہو گئی۔ اُس نے قبضے کو پھینکا اور کسی نوک دار چیز سے قادر بخش کو زخمی کر دیا۔ نیچے سے مُول راج کے ساتھیوں نے سیڑھیوں پر جا کر علی خان کو بالوں سے پکڑ کر اور نیچے کھینچ کر قتل کر دیا اور بعد میں مول راج نے اپنے بھائی کرم نرائن کو تنبیہہ کر کے رہا کر دیا۔ بعد میں کرم نرائن نے ملتان کا سفر کیا اور وہاں کی ایک عمارت وزیر آباد میں جا ٹھہرا جو کہ اب مکمل طور پر منہدم ہو چکی ہے۔ کرم نرائن نے وہاں پر وقتی طور پر مصلحتاً درویشی کا روپ دھارا۔ مُول راج نے یہ سارے حالات سن کر خود وزیر آباد میں آ کر بدستور اس کو کپڑے پہنائے اور ایک کوڑی تک اُس کے مال سے کسی کو نہ لینے دی۔ آخر کرم نرائن کُل جائیداد کو تقسیم کر کے وطن کو لوٹا اور باقی ورثہ مول راج کے پاس ہی رہا اور کشن چند کو مُول راج نے قید کر کے بھاری جرمانہ وصول کیا اور وطن جانے کی اجازت دی اور رشتہ داری کا کچھ خیال نہ کیا۔''

یہ پس منظر ایسے حالات کو بیان کرتا ہے کہ دیوان مُولراج کے اپنے بھائی کرم نرائن اور اپنی فوج کے افسروں اور انگریزوں سے تعلقات خوشگوار نہ رہے تھے۔ یوں مول راج زوال کی طرف بڑھتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ مرادشاہ گردیزی کی روایت کے مطابق دیوان مول راج

نے ابتداء میں سمجھوتے کے مطابق انگریزوں سے تعاون کیا لیکن پھر منصوبہ بندی سے ان پر اچانک حملہ کروادیا جس سے پیٹرک اینڈرسن اور وانس اگنیو زخمی ہوئے اور پھر جانبر ہونے سے پہلے قتل کردیے گئے۔ لیکن مرنے سے قبل وانس اگنیو نے مدد کے لیے خطوط روانہ کردیے تھے۔

مول راج نے کرنل سر ہنری لارنس ریذیڈنٹ لاہور سے ملاقات کی کوشش کی لیکن یہ ملاقات نہ ہوسکی۔ اس کے بعد مول راج صاحب محتشم اللہ کے پاس آیا اور ملتان کو ٹھیکے پر لینے کی درخواست منظور کرنے کو کہا۔ صاحب نے کہا جلدی نہ کریں، اپنے دوست احباب سے مشورہ کرلیں۔ دیوان مول راج نے تین بار استعفاء کی درخواست بھی دی جس کی اپیل لاہور کی جاتی تھی۔ گویا اُس نے بہت کوشش کی لیکن انگریزوں سے اس کے تعلقات میں بہتری نہ آئی۔

لیفٹیننٹ اینڈرسن مامور ہوکر ملتان آیا۔ لاہور دربار سے وانس اگنیو، لیفٹیننٹ ولیم اینڈرسن مع سردار کاہن سنگھ جو بطور نیا ناظم مقرر ہوکر 18 اپریل 1848ء کو ایک ہزار فوج کے ساتھ ملتان آیا۔ چھ سو پیادہ اور چار سَو سواران کے ساتھ تھے۔ سَو افراد توپ خانے کے سنبھالنے والے، چھ توپوں سمیت ملتان آکر عیدگاہ میں مقیم ہوئے۔ مول راج نے اُسی دن دوبار ملاقات کی اور یہ طے پایا کہ اگلے دن یعنی 19 اپریل کو سردار کاہن سنگھ کو نیا ناظم مقرر کیا جائے گا۔

19 اپریل کو جونہی پیٹرک وانس اگنیو نئے ناظم کے ساتھ قلعہ میں داخل ہوا تو اس پر اچانک حملہ کردیا گیا۔ اسے گہرے زخم آئے۔ اس کے بعد ولیم اینڈرسن کا تعاقب کیا گیا اور اُسے بھی حملہ کرکے شدید زخمی کردیا گیا۔ سردار کاہن سنگھ اُنہیں عیدگاہ لے آیا۔ ڈاکٹر رحمت کورکھانی نے ان کا علاج کیا۔ ان کی مرہم پٹی کرائی گئی۔ شدید زخمی حالت میں 19 اپریل 1848ء کو وانس اگنیو نے ریذیڈنٹ سر فریڈرک کری کے نام ایک خط لکھا جس کی تحریر کچھ یوں تھی:

''آپ کو اطلاع ہوچکی ہوگی کہ جب میں (وانس اگنیو) اور اینڈرسن، دیوان مول راج سے قلعہ کا چارج لینے کے بعد باہر نکل رہے تھے تو یکلخت دو سپاہیوں نے ہمارے اوپر حملہ کردیا۔ ہم بے خبر تھے اور دونوں کے دونوں زخمی ہوگئے۔ بے چارے اینڈرسن کا حال تو بہت ہی بُرا ہے۔ ایک زخم اُس کی ران پر لگا ہے دوسرا بھی ران پر، تیسرا پیچھے گردن پر۔ میرا خیال ہے

کہ یہاں فوری ایک ڈاکٹر بھیجا جائے۔ مجھے بھی ایک زخم کاری کاندھے پر اور دوسرا بازو پر لگا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اِس فساد میں ملتان کی تمام فوج شامل ہے۔ ہم اُن کو گھیرے میں لینے کی امید کرتے ہیں کیونکہ اُنہوں نے ہماری دو کمپنیوں کو بھی قلعہ سے باہر نکال دیا ہے۔''

وانس اگنیو نے دوسرا خط 19 اپریل 1848ء کو جنرل کارٹ لینڈ کو لکھا:

''ایک رجمنٹ کو یہاں بھیجنے کے لیے تو آپ کو حکم مِل چکا ہوگا، مہربانی کرکے اُس کو فوراً روانہ کریں اور اگر روانہ ہوچکی ہے تو اس کو جلدی پہنچنے کی تاکید کریں۔ اگر دوسری رجمنٹ کی گنجائش ہو تو وہ بھی ضرور بھیج دیں اور مَیں اِس کام کا ذمہ دار ہوں کیونکہ اینڈرسن کے بازو پر دو زخم ہیں اور ایک زخم برچھی سے پسلیوں پر بھی لگا ہے۔ اُس کی حالت بہت خراب ہے۔ مجھے تھوڑے زخم آئے ہیں۔ میرا نہیں خیال ہے کہ مول راج کا اس سارے فساد سے کوئی تعلق ہے۔ کیونکہ جب ہمارے اُوپر حملہ ہوا تو مول راج بھی میرے ساتھ جارہا تھا۔ مول راج گھوڑا دوڑا کر آگے نکل گیا، مگر اب سنا گیا ہے کہ وہ فوج کے معاملے میں بااختیار تھا اور اُس کے سارے آدمی خیریت سے ہیں۔۔۔۔۔''

وانس اگنیو نے اپنے ایک خط میں تصدیق کی کہ قلعے میں ہونے والی گھٹنا میں مُول راج کی حمایت سپاہیوں کے ساتھ نہیں تھی بلکہ وہ مصلحت یا کسی منفی ردِعمل کے خوف سے پیٹرک اگنیو اور ولیم اینڈرسن کی مدد نہ کرسکا۔

20 اپریل کو سورج غروب ہونے کے بعد مول راج کے کارندوں نے عیدگاہ پر حملہ کیا، وانس اگنیو اور اینڈرسن کو، جو کہ شدید زخمی تھے، قتل کردیا گیا۔ 27 دسمبر 1848ء کو انگریز فوج نے قلعے کا محاصرہ کیا۔ رات کو 12 بجے حملہ کیا گیا۔ شہر کے مختلف علاقوں پر قبضہ کرلیا گیا۔ مول راج نے پسپائی اختیار کی۔ 19، 21 اور 22 جنوری 1849ء کے حملوں سے قلعہ انتہائی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوا۔ مسلسل گولہ باری کی گئی۔ مول راج نے ہتھیار پھینک دیے اور امان مانگی اور کہا کہ میں کل صبح 9 بجے خود کو انگریزی فوج کے حوالے کردوں گا اور 9 بجے دیوان مول راج نے خود کو انگریزوں کے حوالے کردیا اور انگریزی فوج نے قلعہ پر قبضہ کرلیا۔ دیوان مول راج سکھ دور کا آخری گورنر تھا۔

منشی حُکم چند نے ''تواریخِ ضلع ملتان'' (1884ء) میں لکھا ہے:

''بعد دیوان ساون مل، اس کا بڑا بیٹا مولراج سرکار لاہور سے صوبہ دارِی ملتان پر مقرر ہوا۔ لیکن انتظامِ سابق بخوبی قائم نہ رہا۔ اس عرصہ میں سرکارِ انگریزی کے افسران معہ فوج بعد جنگ لاہور، ملتان میں انتظاماً داخل ہوئے۔ 1904ء بکرمی میں دیوان مول راج نے صوبہ داری سے استعفا دیا۔ دربار لاہور سے حسب صوابدید صاحب ریذیڈنٹ بہادر، سردار کاہن سنگھ مان صوبہ داری ملتان پر مقرر ہو کر آیا۔ وانس اگینو صاحب بہادر و اینڈرسن صاحب بہادر ہمراہ کاہن سنگھ کے آئے۔ صاحبان موصوف معہ سردار کے عید گاہ میں فروکش ہوئے اور قلعہ میں صاحبان و سردار کو لا کر مول راج نے سب مال و خزانہ کا چارج دے دیا۔ اتفاقاً جب صاحبان باہر قلعہ کے آئے تو امر سنگھ نامی ڈوگر نے متصل سخی دروازہ وانس صاحب کو برچھی مار کر گھوڑے سے گرا دیا۔ سپاہ مول راج میں شور ہو گیا۔ سپاہ نے عید گاہ میں جا کر اینڈرسن کو بھی مار ڈالا اور کاہن سنگھ کو قید کر کے قلعہ میں لے آئے اور مول راج بھی شامل سپاہ ہو کر باغی ہو گیا اور سامان جنگ تیار کرنے لگا۔''

''افغانان وغیرہ نے قسم کلام اللہ، ساتھ مولراج کے کھائی کہ ہم تمہاری مدد کریں گے۔ لاہور سے ایڈورز صاحب بہادر معہ سردار شیر سنگھ اٹاری والا مول راج کو سزا دینے کے واسطے ملتان آئے۔ افغانان وغیرہ بھی حاضر خدمت ہو کر صاحب بہادر کے ممدوح ہو گئے اور نواب بہاول پور کی فوج بھی اعانتِ سرکار کو پہنچ گئی۔ سردار شیر سنگھ معہ فوجِ سکھاں شامل مول راج کے مزاحمت کاروں کے ہو گیا۔ مگر مول راج کو شیر سنگھ کی نیت پر شک رہا۔ شیر سنگھ لاچار راولپنڈی اپنے باپ چتر سنگھ کے پاس چلا گیا۔ چندے بانتظارِ کُمک جنگ ملتوی ہوتی رہی۔ فوجی مدد آنے کے بعد مورچہ بندی ہو کر طرف لاہور دربار کے توپ رانی قلعہ مُولتان پر کی گئی۔ گولے یکے بعد دیگرے مثلِ بارش قلعہ میں پڑنے لگے۔ بالآخر فوجِ سرکاری نے مسلسل حملے کر کے قلعہ فتح کر لیا۔ دیوان مُول راج کو قید کر کے کالے پانی بھیج دیا گیا۔ وہیں وہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی قید میں مر گیا۔ مال و اسباب اُس کا ضبطِ سرکار ہوا۔ جس نے خیر خواہی سرکاری اس ہنگامہ میں کی تھی۔ سب کو اعلیٰ قدر حیثیت اور خلعت و جاگیر و خطاب سرکار عطا ہوا۔'' معروف

محقق ابن حنیف لکھتے ہیں:

''ملتان شہر اور قلعہ المناک تباہی و بربادی سے دوچار ہوئے۔ اس کا اندازہ یوں بھی لگایا جا سکتا ہے کہ انگریزی فوج نے صرف قلعے ہی میں توپوں سے 36 ہزار گولے برسائے۔''

اس حملے میں ایک بڑا نقصان یہ ہوا کہ بزرگ صوفی شاعر منشی حافظ غلام حسین ملتانی کو اسی جنگ میں ایک انگریز فوجی نے گولی مار کر شہید کر دیا جب وہ دہلی گیٹ کے قریب اپنے گھر میں موجود تھے۔

سر جاہن ڈن لوپ کی انگریزی کتاب ''مُولتان: بی فور اینڈ آفٹر دی سیج'' کا اُردو ترجمہ زبیر شفیع غوری نے ''مولتان، دورانِ محاصرہ اور مابعد'' کے نام سے کیا۔ (مطبوعہ 16 اپریل 2006ء، ملتان)۔ 18 اپریل 1848ء کو وانس اور اینڈرسن ملتان پہنچے۔ 19 اپریل کو قلعہ میں اُن پر حملہ ہوا اور وہ زخمی ہو گئے۔ 20 اپریل کو اُن دونوں کو عید گاہ میں قتل کر دیا گیا۔ ستمبر سے دسمبر تک فوجی دستے ملتان پہنچ گئے لیکن اُنہیں کامیابی نہ ہوئی۔ اُنہوں نے مزید برطانوی فوج کا انتظار کیا۔ دسمبر کے آخر میں اضافی برطانوی فوج پہنچ گئی۔ قلعہ اور شہر کا محاصرہ کیا گیا۔ 22 جنوری 1849ء کو انگریزی فوج نے ملتان پر قبضہ کر لیا۔ بالآخر مول راج کو غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈالنے پڑے اور ملتان مکمل طور پر انگریزوں کے قبضے میں چلا گیا۔

امجد نذیر ''معرکہ ءِ ملتان (ایک ڈرامائی بیانیہ)'' میں لکھتے ہیں:

''کسی بھی ڈرامائی بیانیے میں واقعات، کردار، رزمیہ، گُریز اور عروج و زوال ڈرامائی ایکشن کی جان ہوتے ہیں اور 1848ء میں کیے گئے ایسٹ انڈین کمپنی کے محاصرے میں وہ تمام خصوصیات بدرجہ اُتم موجود ہیں۔ اِسی لیے یہ محاصرہ شاید اِس فہرست میں ایک نمایاں محاصرہ سمجھا جا سکتا ہے۔ جسے اپنے مکمل رزمیاتی اور المیاتی پہلوؤں سمیت دوبارہ بیان کیا جا سکتا ہے۔ زیرِ نظر تحریر اِسی نوعیت کی ایک کوشش ہے۔ یہاں یہ عرض کرنا بھی ضروری ہے کہ راقم الحروف نے برطانوی عسکری مورخوں، سکھ مورخوں اور اپنی یادداشتیں لکھنے والے دوسرے فوجی افسران اور ملتان پر سکھ حکومت کو سراہنے والے دستیاب ذرائع میں موجود ''پروٹا گونسٹ'' اور ''اینٹا گونسٹ'' کو ملتان موافق ڈرامائی تشکیل دینے کے

لئے اَدل بدل کر ڈالا ہے تا کہ ملتان کو ایک محبِ وطن ملتانی کی آنکھ سے دیکھا جا سکے اور ملتان دھرتی کا دفاع کرنے والوں کو تاریخ میں اُن کا درست ترین مقام دلوایا جا سکے۔"

اس نقطۂ نظر سے زبیر شفیع غوری اور امجد نذیر کی راہیں جدا ہو جاتی ہیں کیونکہ زبیر غوری نے صرف ترجمہ کیا ہے اور اِس موضوع پر مزید تحقیق کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی جب کہ امجد نذیر نے اِن سارے واقعات کی مزید کھوج لگائی ہے اور اِسے ایک ڈرامائی بیانیہ قرار دیا ہے۔ امجد نذیر محاصرۂ ملتان کی نئی راہیں متعین کرتے ہیں اور اس ضمن میں صرف انگریز مورخین کی تحریروں پر ہی انحصار نہیں کرتے۔ بلکہ وہ ممکنہ اور دستیاب بہت سے ذرائع سے محاصرۂ ملتان کو ایک انتہائی دلچسپ ڈرامائی انداز میں بیان کرتے ہیں جیسے یہ سارے واقعات قارئین کے سامنے رونما ہو رہے ہوں۔

جنگِ آزادی سے پہلے سراج الدولہ اور ٹیپو سلطان نے انگریزوں سے ٹکّر لی۔ اُن کے بعد شاید مُول راج ہی ملتان کا وہ واحد حکمران ہے جس نے انگریزوں سے جنگ لڑی اور اس جنگ کا دورانیہ پہلی جنگوں سے کہیں زیادہ طویل ہے۔ تاہم مُول راج کی ناکامی میں کچھ نہ کچھ اُس کی اپنی نااہلی کا بھی دخل تھا۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ 1857ء کے شروع میں انگریزوں کے خلاف ایک بڑی مزاحمت ہوئی اور انگریز بُری طرح شکست کھا کر بھاگ گئے لیکن پھر پنجاب کی ریاستوں کے راجوں، مہاراجوں اور نوابوں نے ان کا ساتھ دیا اور پنجاب تو کیا انگریز پورے ہندوستان پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ محاصرۂ ملتان میں بھی صورت حال کچھ زیادہ مختلف نہ تھی۔

جاوید اختر بھٹی

ہم تاریخ کیوں پڑھتے ہیں

ہم تاریخ کیوں پڑھتے ہیں۔ اس کا سادہ ترین جواب تو یہ ہے کہ اگر ہم نہیں جانتے کہ کل کیا ہوا تھا اور کیوں ہوا تھا تو ہم یہ بھی نہیں جان سکتے کہ آج کیا ہو رہا ہے اور کیوں ہو رہا ہے؟

تاریخ ماضی کے حالات، واقعات، ان کے اسباب اور نتائج سمجھنے میں مدد دیتی ہے اور اُن کی روشنی میں آج کے حالات اور اُن کے ممکنہ نتائج کا ادراک پیدا کرتی ہے۔ تاریخ ہمیں تنقیدی شعور اور اُس کی مدد سے ماضی کو کھنگالنے کی سوجھ بوجھ عطا کرتی ہے۔ یہ امر بہت خوش آئند ہے کہ امجد نذیر جیسے صاحبِ مطالعہ اور صاحبِ علم شخصیت نے ملتان کی تاریخ کے اہم ترین حصے کو ملتانیوں کو یاد دلایا ہے۔ تاریخ ایک ایسے موڑ کے بارے میں جو ملتان پر پنجاب کے پونے دو سو سال کے تسلط کا باعث بنا اور یہ تسلط آج تک جاری ہے۔

ملتان کے گورنر مُولراج (1844ء تا 1849ء) کی شخصیت اور طرزِ حکمرانی ہمیشہ تجزیے اور تنقید کی زد میں رہی ہے۔ اُن کے والد دیوان سانول مل کی صوبیداری کے زمانے میں (1821ء تا 1844ء) دیوان مُولراج جھنگ کے انتظامی امور کے انچارج تھے۔ اس دوران بھی سانول مل کو مولراج کے بارے میں بہت سی شکایات موصول ہوتی تھیں۔ سانول مل کے قتل (1844ء) کے بعد دیوان مولراج کے گورنری کے دوارن میں بھی ملتان کے مال املاک اور وسائل کی لوٹ کھسوٹ جاری رہی۔ مولراج نے لاہور دربار کے ساتھ 19 لاکھ 68 ہزار روپے سالانہ محصول ادا کرنے کا معاہدہ کیا جو یقیناً اُس نے مقامی کسانوں، تاجروں اور ہنر پیشہ افراد سے ہی وصول کرنا تھا۔

لاہور دربار سے مولراج کا تنازعہ اور سکھوں اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے انگریزوں کی ملتان پر یلغار نے مولراج کو بائی ڈیفالٹ باغی اور مزاحمت کار بنا دیا۔ جنگ میں شکست اور مقدمے سمیت بعد میں رونما ہونے والے واقعات نے اُسے ٹریجک ہیرو کی حیثیت دے دی۔

ملتان کی تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے ملتانیوں اور مورخین نے اس بحث کو دوبارہ چھیڑا ہے کہ آیا مولراج ہیرو ہے یا وِلین۔ کچھ لوگ برٹش کالونیلزم کے ضمن میں مُولراج کی مزاحمت کو انگریز استعمار کے خلاف مزاحمت تصور کرتے ہیں اور اُسے ہیرو مانتے ہیں۔ لیکن کچھ اور لوگ اُسے سکھ استعمار کا نمائندہ تصور کرتے ہیں جس نے اپنے باپ سانول مَل کی طرح رنجیت سنگھ اور اُس کی موت (1839ء) کے بعد اُس کی باقیات کو خوش کرنے کے لیے ملتان اور اُس کے اردگرد کے علاقوں میں کسانوں اور تاجروں کی زندگی کو عذاب بنائے رکھا۔

امجد نذیر نے ملتان کا محاصرہ یاد دلا کر ایک طرح سے یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ پونے دو صدی پہلے لاہور کی جانب سے ملتان کا جو استحصال شروع ہوا تھا وہ کسی نہ کسی شکل میں آج بھی جاری ہے۔ انگریز استعمار نے ملتان کو سیاسی، اقتصادی اور ثقافتی حوالے سے ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا۔ ملتان کی صدیوں سے مسلم ریاستی اور صوبائی حیثیت کو ختم کر کے، اُسے ایک انتظامی ڈویژن بنا کر پنجاب کا نیا صوبہ تشکیل دے کر اُس میں شامل کر دیا۔

مظہر عارف

معرکہ ءِ ملتان۔ ایک ڈرامائی بیانیہ

امجد نذیر علم دوست شخص ہیں۔ ان کے مطالعے کی وسعت اور گہرائی مجھے حیران کر دیتی ہے۔ وہ اَن تھک محنت اور ریاضت سے اپنے موضوع کے جملہ پہلوؤں کا دقتِ نظر سے جائزہ لیتے ہیں۔ اگرچہ ان کی فکری جہتیں متنوع ہیں تاہم ان کا تعلق بنیادی انسانی مسائل سے ہے۔ تاحال ان کی سات کتابیں شائع ہو چکی ہیں:

1. Education Concern (SNC to NCP)

2. Education and Inequality

3۔ ریاستی جبر اور مزاحمت: ارون دھتی رائے کے مضامین (ترجمہ)

4. A Massacre of Hazara Shia Community

5۔ وجود اور کھوئی ہوئی ذات کا عکس: مجموعہ شاعری

6. Multiple OpEds on Peace, Culture and Education

7. Cultural forms of Resistance of Marginalized Communities

امجد نذیر نے لکھنے کا آغاز افسانہ نگاری سے کیا۔ ملتان کی ادبی محفلوں میں ان کے افسانوں نے اہلِ علم و ادب سے داد سمیٹی۔ ان ہی محفلوں میں میری ان سے شناسائی ہوئی، پھر وہ اسلام آباد چلے گئے اور میں ایک بہت اچھے ادب دوست رفیق سے کچھ عرصے کے لیے جدا ہو گیا۔ اس دوران میں ان کے بھائی ارشد نذیر سے معلوم ہوتا رہا کہ وہ اسلام آباد میں علمی و ادبی سرگرمیوں میں مصروف ہیں اور تحقیق کو اوڑھنا بچھونا بنایا ہوا ہے۔ البتہ ان کی تخلیقی سرگرمی کا محور افسانے کی بجائے شاعری ہے۔ برسوں کے بعد ایک دن امجد نذیر کا فون آیا کہ وہ ملتان میں ہیں اور مجھ سے ملنے آ رہے ہیں۔ اس ملاقات میں انہوں نے بتایا کہ وہ اپنے وسیب خطۂ ملتان کے بارے میں ایک کتاب لکھنا چاہتے ہیں اور اس سلسلے

میں جہاں کتابوں میں تاریخ کا کھوج لگا رہے ہیں وہاں اس وسیب کے قدیم آثار، قلعوں اور خاص طور پر ملتان کے قلعے اور اندرون شہر کی پرانی عمارتوں کا مشاہدہ بھی کر رہے ہیں۔ گذشتہ چند سالوں میں امجد نذیر سے ملاقاتیں رہیں اور ہر بار وہ اپنے اس منصوبے کے بارے میں گفتگو کرتے۔ اس دوران میں ان کی دو تین کتابیں شائع ہوئیں لیکن ان کے موضوعات مختلف تھے، البتہ اپنے وسیب کے حوالے سے وہ جس کام کا آغاز کر چکے تھے، جاری رہا۔ پچھلے سال کے وسط میں انہوں نے اپنی کتاب ''معرکہ ءِ ملتان'' کا مسودہ بھیجا، جس کا مطالعہ میرے لیے خوشگوار حیرت کا باعث تھا۔ خطۂ ملتان کا تاریخی سانحہ تخلیقی انداز میں بیان کیا گیا تھا۔ میں نے مسودہ پڑھ کر امجد نذیر کو اس حوالے سے اپنی رائے سے آگاہ کیا تو انہوں نے اس مسودے پر نظر ثانی کا ارادہ کیا۔ چھے ماہ کی عرق ریزی کے بعد، ایک بار پھر تاریخ کی کھوج لگا کر، تین ابواب کے اضافے کے ساتھ اس کتاب کا حتمی مسودہ مجھے گذشتہ ہفتے ملا۔

میں نے ابھی لکھا ہے کہ خطۂ ملتان کا تاریخی سانحہ، تخلیقی انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جب امجد نذیر اس سانحے کے بارے میں تحقیق کر رہے تھے تو اکثر مجھ سے تذکرہ کرتے کہ اوّل ملتان کی مستند تاریخ نہیں لکھی گئی، جتنا لکھا گیا ہے اس میں تسامحات اور تضادات موجود ہیں۔ دوسرے یہ کہ ملتان کے محاصرے کے دوران میں جو واقعات رُونما ہوئے، جن لوگوں نے مزاحمت کرتے ہوئے اپنا کردار ادا کیا ان کی تفصیل اور ان کے نام نہیں ملتے۔ اس حوالے سے تاریخ میں بہت سے گوشے مخفی ہیں اور مزاحمتی کردار اکثر گم نام ہیں۔ یہاں امجد نذیر کے اندر کا وہ تخلیق کار جو کبھی افسانہ تراشتے ہوئے اور کبھی لفظوں کو شعر کے پیکر میں ڈھالتے ہوئے، اپنے آپ کو ظاہر کرتا تھا، ایک انوکھے انداز میں سامنے آیا اور محاصرۂ ملتان کے سانحے کو ایک ڈرامائی بیانیے کا روپ دے دیا۔ فرنگیوں اور سِکھوں کی قلعہ ملتان پر یلغار اور مزاحمتی قوتوں کی انہیں شکست دینے کی کوشش میں جس طرح کے واقعات رُونما ہوئے ان میں تمام تر ڈرامائی عناصر موجود ہو سکتے

ہیں، جنہیں امجد نذیر کے تخیل نے محسوس کیا اور ایک ڈرامائی صورتحال تخلیق کی، جسے وہ ڈرامائی بیانیہ قرار دیتے ہیں۔ امجد نذیر کہتے ہیں:

''برطانوی عسکری مورخوں اور اپنی یادداشتیں لکھنے والے دوسرے فوجی افسران، سکھ اور پنجاب کے دوسرے مورخین کے ''پروٹا گونسٹ'' اور ''اینٹا گونسٹ'' کو تل وطنی زاویے سے دیکھنے کی کوشش کی ہے تا کہ ملتان دھرتی کا دفاع کرنے والوں کو تاریخ میں ان کا درست ترین مقام دلوایا جا سکے۔''

یہ وہ فکر ہے جو امجد نذیر کی اس تصنیف کی روح ہے۔ دیوان ساونل مل اور اس کا بیٹا دیوان مول راج ہیرو تھے یا لاہور دربار کے نمائندہ، اور محاصرۂ ملتان کے دوران میں اصل ہیرو اس دھرتی کے وہ سپوت تھے جو خواہ کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتے ہوں، انہوں نے استعماری قوتوں کے خلاف مزاحمت کی، جانیں قربان کیں، وہ گُم نام رہے لیکن اصل ہیرو وہی تھے جنہیں امجد نذیر ''سپاہِ ملتان'' کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

خطۂ ملتان صدیوں سے آزاد اور خود مختار حیثیت رکھتا تھا۔ اس کی اپنی تاریخ ہے، اس کی زبان، تمدن، کلچر کی الگ شناخت ہے، اپنے سُر تال ہیں، اپنے ریگستان، لہلہاتے کھیت کھلیان، وسیع میدان، دریا اور پہاڑ ہیں۔ یہ ہمارے ماضی سے جڑے ہوئے ہیں، حال میں موجود ہیں اور ہمارا مستقبل ہیں۔ تاریخ جو ہمارا ماضی بیان کرتی ہے، تاریخ جس سے ہمارا مستقبل پھوٹتا ہے۔

نعمت الحق

29 جنوری 2026ء

تعارف

ملتان دنیا کے قدیم ترین شہروں میں سے ایک ہے اور آج بھی اُسی جگہ شاد آباد ہے جس جگہ اُس کی بنیاد متفرق قیاس آرائیوں کے مطابق کم و بیش 4000 سال قبل ڈالی گئی تھی اور یہی قدامت اس کا طُرۂ امتیاز ہے۔ اِس شہر کی بُعد زمانی، دریائے سندھ، قدیم راوی اور چناب کی عطا کردہ خوشحالی اور سندھ طاس میں آباد دوسرے شہروں کے مقابل اہم ترین محلِ وقوع کی وجہ سے اِس کے ایک نہیں کئی محاصرے ہوئے اور ہوئے ہوں گے، کُچھ معلوم اور کُچھ نامعلوم۔ مثلاً 325 قبل مسیح میں سکندر مقدونی (جسے ایران میں سکندر ملعون کے نام سے جانا جاتا ہے) کا محاصرہ، 1025ء اور 1027ء میں محمود غزنوی کا حملہ، ہلاکو خان کی چڑھائی (1221ء۔1227ء کے درمیان کہیں)، 1296ء میں علاء الدین خلجی کا محاصرہ، 1802ء سے لے کر 1818ء تک متعدد بار رنجیت سنگھ کی توسیع پسندانہ جارحیت اور خراج طلبی وغیرہ۔

مگر تاریخ میں جس قدر جزئیاتی تفصیل خالصہ سرکار کی معیت میں برطانوی لشکریوں (یعنی ایسٹ انڈیا کمپنی) کے محاصرے کی موجود ہے ویسی تفصیل برصغیر پاک و ہند کی تاریخی دستاویزات میں شاید چند ایک محاصروں کی ہی دستیاب ہوگی۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ ایسٹ اینڈ یا کمپنی کے محاصرے کا بیسیوں لوگوں نے جزوی یا کلی تذکرہ کیا ہے لیکن محاذ آرائی کی ممکنہ تفصیل اور ملتانی سپاہ اور قلعہ کہنہ ملتان کی فقید المثال مزاحمت ہر جگہ تشنہ طلب دکھائی دیتی ہے۔ زیرِ نظر تصنیف اِسی خلاء کو پُر کرنے کی ایک کوشش ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ اِس تمام سانحے کو ایک ڈرمائی یا ناول کے سے انداز میں بیان کرنے کی بھی کوشش کی گئی ہے۔

کسی بھی ڈرامائی بیانیے میں واقعات، کردار، رزمیہ، گریز اور عروج و زوال توجہ طلب ایکشن کی جان ہوتے ہیں اور 1848ء میں کئے گئے برطانوی (ایسٹ انڈیا کمپنی) اور اتحادیوں کے محاصرے میں یہ تمام خصوصیات بدرجہءِ اُتم موجود ہیں۔ اِسی لئے یہ محاصرہ شاید اِس فہرست میں ایک نمایاں محاصرہ سمجھا جا سکتا ہے جسے اپنے مکمل ڈرامائی اُتار چڑھاؤ، ایکشن، سسپنس، کچھ نہ کچھ مکالموں اور ٹریجڈی کے ساتھ دوبارہ بیان کیا جا سکتا ہے۔

زیرِ نظر تحریر میں درج بالا اُسلوب و انداز اختیار کیا گیا ہے۔ یہاں یہ عرض کرنا بھی ضروری ہے کہ راقم الحروف نے جاہن جوہنز کولے کی ''دی سیج آف ملتان''، جاہن ڈنلاپ کی تصاویری کہانیوں، میجر ہربرٹ ایڈورڈز کے ''اے ٹیئر آن دی پنجاب فرنٹیئر''، ''ہسٹری سیریز: دی فال آف سکھ ایمپائر''، ''دی سیکنڈ اینگلو سکھ وار'' کی یوٹیوب سیریز، برطانوی عسکری مورخوں اور اپنی یاداشتیں لکھنے والے دوسرے فوجی افسران، سکھ اور پنجاب کے دوسرے مورخین کے ''پروٹا گونسٹ'' اور ''اینٹا گونسٹ'' کو تل وطنی زاویے سے دیکھنے اور لکھنے کی کوشش کی ہے تا کہ ملتان دھرتی کا دفاع کرنے والوں کو تاریخ میں اُن کا درست ترین مقام دِلوایا جا سکے۔ اس کے ساتھ ساتھ مقامی مورخینِ ملتان کے حوالوں اور حاشیوں کو بھی مدِ نظر رکھا ہے۔ سِکھ مورخین اِس محاصرے کو نہایت معروف ''سیکنڈ اینگلو سکھ وار'' کا نام دیتے ہیں لیکن راقم الحروف نے بلاد المُلتان کو سِکھ راجدھانی نہ تصور کرتے ہوئے اور زمینی حقائق مطابق اِس جنگ کو ملتان کی خالصہ اور انگلستان مخالف جنگ تصور کرتے ہوئے جان بوجھ کر کم و بیش ایسے تمام نقطہ ہائے نظر سے اِختلاف کیا ہے جو اِس جنگ کو سِکھ دربار کی ایسٹ انڈیا کمپنی کے خلاف جنگ قرار دیتے ہیں۔ میری رائے میں یہ حقیقت منافی اور غلط العام ہے۔ یہ جنگ ملتان کے باسیوں اور مزاحمت کاروں کی بیک وقت خالصہ سرکار اور برطانوی جارحیت پسندوں کے خلاف تھی جس میں ہندو، مسلمان، سکھ، سرائیکی، بلوچ،

پختون سب شامل تھے۔ یہاں یہ تذکرہ بھی ضروری ہے کہ مقامی عوام اور اشرافیہ کا جو بھی کردار تھا راقم الحروف نے اس کو بیان کرنے میں بھی کوئی تحریف یا مبالغہ نہیں کیا۔ شاید یہی نقطۂ نظر اِس بیانیے یا بازبیانیے کا وصفِ امتیاز ہے یا ہوسکتا ہے۔

محاصرہ کے اہم کرداروں کا ذکر، چند واقعات اور کچھ تفصیلات دوسرے مورخین، واقعہ نگاروں اور خاکہ نگاروں سے بھی مُستعار لئے گئے ہیں جن کا رسمی حوالہ حسبِ روایت درج کر دیا گیا ہے۔ حیرت اور افسوس کی بات یہ ہے کہ ملتان پر دھاوا بولنے والوں کا نام، مقام، حوالے اور یاداشتیں اور اُن کی ظلم پرستیوں کی داستانیں تو موجود ہیں مگر دفاع کاروں کے نام، شناخت، حال احوال اور آثار ڈھونڈنے کے لیے آپ کو بے پناہ جدوجہد کرنی پڑتی ہے اور تاریخ کے کونوں کھدروں اور حاشیوں سے کچھ نہ کچھ نکالنا پڑتا ہے۔ لیکن اِس کے باوجود آپ کو تسلی بخش حد تک، ماسوائے معدودے چند لوگوں کے، اُن لوگوں کے نام اور کردار کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں ہوتا جو اَپنی زمین اور اپنے وطن کا دفاع کرتے ہوئے گمنام مارے گئے۔ چار و ناچار آپ کو کچھ مشاہدات اور آج کے ملتان سے قیاس آرائی کرتے ہوئے ماضی کے حالات اور زیرِ بحث واقعات منسلک کرنے پڑتے ہیں اور کچھ کام خیال آرائی سے بھی چلانا پڑتا ہے۔ چونکہ ملتانی باغیوں، دفاع کاروں اور مزاحمت کاروں میں ہندو، مسلمان، سکھ ہر شناخت کے لوگ شام تھے اور یہ کہیں واضح نہیں ہوتا کہ کس نے کیا اقدام کیا، اِس لئے مصنف نے اکثر سے زیادہ جگہوں پر اُنہیں صرف سپاہِ ملتان کے نام سے معنون کرنا پسند کیا ہے۔ لیکن جہاں اشد ضرورت محسوس ہوئی وہاں حسبِ تقاضا نام تخلیق کر لئے گئے ہیں۔ نام کا کیا ہے، اصل چیز کردار ہے جو کسی شخص نے اس اہم ترین معرکے میں ادا کیا، اسے تاریخی صحت کے ساتھ درج کیا گیا ہے۔

تاہم متفرق حوالوں میں تکرار اور بہت سے واقعات کی ترتیب اور تفصیل دستیاب

نہ ہونے کی وجہ سے بہت سے خلاء اب بھی باقی رہ گئے ہیں اور یہی صورتِ حال وسط اُنیسویں صدی کے ملتان کی جغرافیے اور قلعہ کے اندرون، بیرون مکانات اور مقامات کی جزئیات کی بھی رہی ہے۔ لیکن راقم نے ڈرامائی اسلوب، تصور اور تصویر کشی کے ذریعے اِن خالی جگہوں کو بھرنے کی بھرپور کوشش کی ہے مگر مکمل ذمہ داری کے ساتھ۔

یہ عرض کرنا بھی ضروری ہے کہ رنجیت سنگھ کی ملتان پر لشکر کشی (1802ء-1818ء) کے تسلسل اور 1839ء میں اُس کی موت کے بعد، اپنے باپ سانول مَل کے برعکس متزلزل، دوقلبی اور سمجھوتہ فہم کردار کے حامل مُولراج کی سیاسی حیثیت سرائیکی اور ملتانی مورخین کے نزدیک کسی حد تک متنازعہ بلکہ ناپسندیدہ رہی ہے۔ مگر راقم الحروف نے زیرِ نظر تحریر میں کوئی بھی قطعی پوزیشن لینے سے گریز کیا ہے۔ کیونکہ سانول مل اور مولراج دونوں کی مکمل سوانح شاید کہیں موجود نہیں ہے۔ البتہ کُچھ شخصی خاکے ہیں جن سے اُن کی زندگی، شخصیت اور مزاج کا کچھ زیادہ پتہ نہیں پڑتا۔

درحقیقت یہ رزمیہ بیانیہ جو تحقیق، تخلیق، منطقِ تخیل اور کہیں کہیں مستعار، حوالہ جاتی، خود اختیار کردہ بیان و اظہار کا مُرکب ہے جو عُروس البلادِ ملتان کی محبت اور اہمیت کے پیشِ نظر لکھا گیا ہے تاکہ برطانوی ایسٹ انڈیا کمپنی کی عسکری یلغار کے ساتھ ساتھ تقریباً پونے دو سو سال پہلے کے ملتان کے جغرافیہ، شکل و شباہت، قلعہ کی ہیئت اور برطانوی جارحیت کو تحریری اور تصوراتی پردہِ سیمیں پر دِکھایا جاسکے۔ اِس پورے منظر میں مُولراج کی جو بھی حیثیت بنتی ہے اور ملتان کے مقامی باشندوں، مزاحمت کاروں، اور خالصہ دربار کی جو بھی تصویر اُبھرتی ہے اور سب سے بڑھ کر ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہرکاروں، میجروں، کرنیلوں، جرنیلوں اور ریذیڈنٹ افسران کے بارے میں جو بھی رائے بنتی ہے اُس کا فیصلہ، ماسوائے اُسلوب اور اندازِ بیان کے، بڑی حد تک قارئین پر چھوڑ دیا گیا ہے۔

یہ ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ 1848ء تک تاجِ برطانیہ نے براہ راست ہندوستان کی فرمانروائی کا آغاز نہیں کیا تھا اور ملتان پر چڑھائی کرنے والے فوجی افسران، میجر، جنرل اور مقامی جوان تاجِ برطانیہ کی پُشت پناہی کے باوجود ایسٹ انڈیا کمپنی ہی کے ملازم تھے۔ اپنے ہی ہم وطنوں کے خلاف پنجہ کشی کرنے والے اُجرت پر بھرتی کئے گئے مقامی اور غیر مقامی دستے بھی کمپنی ہی کے نمک خوار تھے۔ جبکہ خالصہ دستوں کو لاہور دربار سے پروانۂ جنگ دے کر اِس فریب سے شامل کیا گیا تھا کہ ملتان فتح کرنے کے بعد کمپنی بہادر خالصہ کے زیرِ نگیں تمام علاقوں کی فرمانروائی دوبارہ سکھوں کے سُپرد کر دے گی۔ مگر تاریخ نے ثابت کیا کہ کمپنی کی بہت سی اور سازشوں کی طرح یہ بھی ایک بہت بڑی سازش تھی۔ ملتان کا قلعہ اُنیسویں صدی کے ہندوستان کے مضبوط ترین قلعوں میں سے ایک تھا۔ نہ صرف یہ بلکہ اُنیسویں صدی کی پہلی دو دہائیوں یعنی 1818ء تک رنجیت سنگھ کا نواب مظفر خان اور اُس کے بیٹوں کے قتل کے بعد ملتان کو اپنی راجدھانی میں شامل کرنے کے باوجود بھی صوبہ ملتان باج گزاری کے علاوہ اپنی صوبائی حیثیت اور خود مختاری برقرار رکھے ہوئے تھا۔ دوسرے لفظوں میں رنجیت سنگھ نے ملتان کی یہ حیثیت برقرار رہنے دی تھی کیونکہ صوبہ ملتان کو سرنگوں کرنے کا بڑا مقصد براہ راست حکمرانی کی بجائے ملتان اور اُس کے نواحی علاقوں سے زیادہ سے زیادہ خراج اور محصولات اکھٹے کرنا تھا اور اُس کا یہ مقصد بہر حال پورا ہو رہا تھا۔

نواب مظفر خان کی شہادت کے بعد خالصہ فوج کا سپہ سالار، دیوان چند محض وقتی طور پر ملتان کے انتظام وانصرام پر مقرر رہا اور چند مہینوں کے بعد ہی رنجیت سنگھ نے دیال سنگھ کھتری کو ملتان کا صوبیدار نامزد کر دیا اور پھر 1819ء اور 1821ء کے درمیان یکے بعد دیگرے شیام سنگھ پشاوری، بدن ہزاری، مٹھا مل شکارپوری اور سیوّا سنگھ کو بھی نہ صرف ملتان

کی انتظام کاری سے ہٹا دیا بلکہ سزا کے طور پر قید بھی کر دیا، وجہ اِس کی محض درکار محصولات اکٹھے نہ کر پانا اور رنجیت سنگھ کو مطلوبہ لگان ادا کرنے کی صلاحیت نہ رکھنا تھا۔ دیوان ساون مَل کھتری نے 1821ء میں ملتان کی صوبیداری کا چارج سنبھالتے ہی لاکھوں روپے ماہانا رنجیت سنگھ کو خراج کی مد میں بھجوانا شروع کر دیے۔ کیونکہ بطور منشی اُسے کشمیر سے لے کر شجاع آباد تک محصولات اکھٹے کرنے اور حساب کتاب رکھنے کا وسیع تجربہ تھا۔ جلد ہی جھنگ اور میانوالی سے لے کر روجھان تک کا علاقہ اُس کی عملداری میں دے دیا گیا تا کہ وہ زیادہ سے زیادہ محصولات اکھٹے کر کے لاہور خالصہ دربار کو بھیج سکے۔(۱)

یوں تو دیوان ساون مل کی انتظام کاری، انصاف پسندی اور کسی حد تک دانشمندی کے قصے بہت مشہور ہیں اور کنہیا لال سے لے کر کلیان داس تک سب نے درج بالا خصوصیات کو ثابت کرنے کیلئے محض چند ایک منتخبہ واقعات کا بار بار تذکرہ کیا ہے لیکن اُس کی اصل کامیابی مال گزاری کی رقم میں مسلسل اضافہ اور لاہور دربار کو مطمئن رکھنا ہی نظر آتا ہے۔ کوئی یہ نہیں کہتا کہ صاحب داد خان نے، جو کہ دیوان ساون مل کا معتمد سپاہی تھا، ساون مل کو 1844ء میں محض دیوانگی میں قتل نہیں کیا تھا بلکہ اُس کے دل میں رنجش تھی کہ سانول مل کئی برس بعد بھی منت تَرلے کے باوجود اُسے تنخواہ اور رخصت دینے سے انکاری تھا۔ یہاں تک کہ زیادہ اصرار کرنے پر اُسے قید کرنے کا حکم بھی دے چکا تھا۔ اِس قسم کے واقعات انصاف پسندی کی بجائے اُس کی سخت گیری اور مفاد پرستانہ منصفانہ رویے کی طرف زیادہ اشارا کرتے ہیں۔ بہ نسبت قانون وانصاف کا شعور رکھنے کے۔ قرینِ قیاس یہی لگتا ہے کہ چوری ڈکیتی کا خاتمہ، جاگیرداروں کی جاگیر کا تحفظ اور امنِ عامہ برقرار رکھنے کی اس کی تمام کوششیں بلا تاخیر اور باقاعدگی سے محصولات کی وصولی اور فراہمی کے سبب ہی تھیں نہ کہ طبعاً سمجھدار اور انصاف پسند ہونے کے سبب۔ (۲) اس میں کوئی شک نہیں کہ ساون مل کی

صوبیداری کے دوران ملتان میں اندرونِ ملک کاروبار اور درآمدات برآمدات میں بے پناہ اضافہ ہوا لیکن اس کا براہِ راست اور بالراست فائدہ بھی ساون مل کو زیادہ سے زیادہ محصولات اکٹھے کرنے کی مد میں ہوا۔

دیوان کی ملتان پر 1821ء سے 1844ء تک کی نظامت کے جو تھوڑے بہت واقعات حُکم چند، مُرادشاہ گردیزی اور کنہیالال کے ذریعے ہم تک پہنچے ہیں، اُن سے واضح ہوتا ہے کہ رنجیت سنگھ کو مسلسل زیادہ سے زیادہ محصولات بھجوانے کی وجہ نہ صرف ملتان پر اپنی عملداری برقرار رکھنا تھا بلکہ شاید کسی مناسب موقع پر ملتان کی خودمختاری کا اعلان کرنا بھی تھا۔ کیونکہ مہاراجہ کو تسلی بخش محصولات بھجوانے کے ساتھ ساتھ اُس نے نہ صرف ملتان میں نئی عمارات تعمیرات کروائیں بلکہ وقتاً فوقتاً قلعے کی اِستقامت میں بھی اضافہ کیا اور اُنیسویں صدی میں کسی بھی گورنر یا صوبیدار کا قلعے کی تعمیر اور مرمت میں اضافہ خودمختاری کے ارادے یا اشارے سے کم نہیں تھا۔ مگر ساون مَل ہوشیاری سے لاہور دربار سے اِس کام کی اجازت حاصل کرتا رہا۔ مثلاً مہاراجہ رنجیت سنگھ کی وفات کے بعد ایک بار اُس کے بیٹے دھیان سنگھ کے کہنے پر رنجیت سنگھ کے پوتے کنور نونہال سنگھ نے ساون مل کو لاہور بلانے کا کہا، اُس کا خیال تھا کہ ساون مل کے انکار پر دھیان سنگھ کو اپنے پرانے دشمن کے خلاف ساز باز کا موقع مل جائے گا یعنی یہ کہ مہاراجہ کی وفات کے بعد ساون مل خالصہ دربار کی ملتان پر عملداری سے انکاری ہے۔ ہر چند کہ نونہال سنگھ نے دیوان کو متعلقہ شرط سے آگاہ کر دیا تھا مگر اِعتبار اور سمجھداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے دیوان وہاں حاضر ہوا اور نہ صرف وہاں حاضر ہوا بلکہ نونہال سنگھ کو باور بھی کروایا کہ راجے اور درباری اُسے کسی بھی وقت دھوکہ دے سکتے ہیں اور کوئی بعید نہیں ہے کہ گُل کلاں کو پنجاب سے بھاگ کر اُسے قلعۂ ملتان میں پناہ لینی پڑے۔ اِسی لئے ضروری ہے کہ اِس قلعہ کی تعمیر و مرمت جاری رکھ کر اِس کو ناقابلِ تسخیر بنا دیا جائے۔

وہاں پہنچ کر اُس نے کہا ''اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں قلعے کی مضبوطی اور استقامت میں ایسا اضافہ کروں کہ وہ کسی بھی جارحیت کا مقابلہ کرنے کے قابل ہو سکے؟۔'' نہال سنگھ نے فوراً اجازت دے دی اور واپس آ کر ساون مل نے نہ صرف قلعے کی مرمت کروائی بلکہ کمر کوٹھے کو مزید بہتر کیا، فوج کو چاک و چوبند کیا، اَجناس کا ذخیرہ کیا اور کئی ایک نئی عمارات کی تعمیر بھی کروائی۔ (۳) شیوالا مندر، متصلہ نالہ ولی محمد، پختہ تالاب سورج کُنڈ، سیڑھیاں، پختہ نالہ متصل شوالہ، تالاب و دیگر مکانات بدھلہ سنت، پختہ سیڑھیاں بَر دریا، متصل رام چونترہ، باغ عام خاص، اور متصل عمارات وغیرہ بھی دیوان ساون مل کی تعمیر کردہ ہیں۔ (۴)

درج بالا پس منظر کے سبب بھی ایسٹ انڈیا کمپنی کا خالصہ دربار اور مقامی دستوں کو ساتھ ملائے بغیر ملتان کو زیر کرنا ناممکن تھا۔

امجد نذیر

جنوری 2026ء

اسلام آباد

پہلا باب

اندرون ملتان اور گردونواح کا ماحول

(وسط انیسویں صدی کا منظر)

دریائے چناب سے تقریباً چار میل مشرق میں بوڑھے دریائے راوی کے کنارے دُنیا کے قدیم ترین شہروں میں سے ایک شہر ملتان آباد ہے اور یہ وہ شہر ہے جسے دمشق، بغداد، اصفہان اور روم کا ہم عمر شہر قرار دیا جاسکتا ہے۔ (تاریخ میں یہ پُر اسرار شہر کئی ناموں سے یاد کیا جاتا رہا ہے مثلاً کشپ پورہ، پرہلاد پور، ملوہہ، مُولستھان اور مُولتان وغیرہ)۔ در اِیں اثناء لاہور کے بعد پنجاب کا یہ دوسرا بڑا اور معروف شہر ہے جس کی شہر پناہیں مضبوط، مرکزیت مُسلمہ، راستے چہار گُونہ، پیداوار وافر اور تجارت مُنافع بخش رہی ہے۔ کیونکہ یہاں چاروں موسم اپنے مکمل جوبن کے ساتھ وارِد ہوتے ہیں، اسی لئے یہاں ہر قسم کے پھل پھول، سبزیاں اور اجناس آب وتاب کے ساتھ اُگتے، کھائے اور فروخت کئے جاتے ہیں۔ موجودہ 22 لاکھ اور 58000 آبادی کے اِس شہر میں اب اُنیسویں صدی کا اندرون ملتان اور قلعہ شاید دو مختصر دائروں کے برابر ہی رہ گئے ہوں گے۔ جن کے پُرانے مکانات، حویلیاں اور در و دیوار جدید مگر غیر موزوں طرزِ تعمیر کی یلغار کے سامنے آئے روز ڈھیر ہو رہے ہیں مگر مذکورہ محاصرے کے وقت اور حالات کو چشمِ تصور سے دیکھیں تو:

فصیل کے اندر پتلی اینٹوں اور چوڑی دیواروں پر اُستوار کئے گئے لگ بھگ دس ہزار مکانات موجود ہیں۔ ہر چند کہ گلیاں چھوٹی اور تنگ ہیں مگر کمرے کُشادہ، روشن اور ہوا دار ہیں۔ زیرِ زمین پانی زیادہ گہرائی پر نہیں ہے اور میٹھا ہے، تقریباً ہر گھر کے دالان میں تنگ

منہ والا ایک کنواں ہے جو کہ پینے کی اور دوسری ضروریات کے لیے صاف پانی فراہم کرتا ہے۔ بعض کنوؤں کو اوپر سے چھتنا کر ایک طرف سے دروازہ لگا دیا گیا ہے تاکہ بچوں کے لیے حفاظت رہے اور باہر سے پانی میں کوئی چیز اندر نہ جائے۔ اُوپر لگی ہوئی چرخی اور دُھرے سے گھر کی عورتیں حسبِ ضرورت آرام سے پانی کھینچ لیتی ہیں۔ یہاں کے میٹھے پانی کی ارد گرد کے شہروں اور قصبوں میں بڑی شہرت ہے اور آس پاس کے قصبوں دیہاتوں سے لوگ یہاں منتقل ہونا پسند کرتے ہیں۔

زیادہ تر مکانات دو منزلہ ہیں، چھتیں اونچی اور دیواریں موٹی ہیں، دروازے کندہ کاری سے مزیّن ہیں اور بعض مکانوں کی بیرونی دیوار پر نیلگوں اور دوسرے رنگوں کی پچی کاری کی گئی ہے اور خوبصورت چوبی بالکنیاں یا بالائی منزلوں کے چھجے باہر کو نکلے ہوئے ہیں جہاں سے نیچے گلی میں جھانکا جاسکتا ہے یا پھر ہمسائیوں سے بات کی جاسکتی ہے۔ کچھ عورتیں چھجوں اور بالکنیوں سے اپنے ہمسائیوں سے بات کرتی ہوئی اور کچھ اپنے چھجوں سے نیچے ٹوکری لٹکا کر، دودھ، دہی، سبزی یا اشیائے صرف خریدتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔ گلیوں، کوچوں اور دالانوں میں بچے اَتی بَتی یا ہاپُو ٹاپُو کھیلتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ایسے مکانات میں، جہاں گرمیوں میں بھی اندر مناسب ٹھنڈک محسوس ہوتی ہے، برطانوی شہری بھی ہنسی خوشی آباد ہو سکتے ہیں۔ تاہم برصغیر کے دوسرے بہت سے شہروں کی طرح یہاں بھی بہت سے محلے اور گھر ایسے بھی ہیں جہاں مُفلس اور کمزور لوگ بھی آباد ہیں جن کے گھر چھوٹے، نیم پختہ اور خستہ ہیں۔ ایسے بھی بہت سے گھر ہیں جن میں کھڑکیاں اور روشندان ضرورت سے کم اور روشنی کا گُزر مشکل ہے۔ زیادہ تر گلیاں آڑی ترچھی، ٹیڑھی میڑھی اور کچی پکی ہیں۔ کچھ گلیوں میں پکی اینٹوں کا اچھا فرش بھی چُنا ہوا ہے البتہ سطح ناہموار اونچی نیچی ہے۔ شہر کے مرکز میں ایک بازار جنوبی دروازے سے مسجد ولی محمد تک چلا جاتا ہے جس میں زیادہ

تر دکانیں زیورات کی مگر اِکا دُکا دُکانیں اشیائے صرف اور پنسار کی بھی ہیں۔ ایک اور بازار دلی دروازے سے دولت دروازے کو چُھوتے ہوئے جنوب مغرب کی طرف بوہڑ دروازے اور پھر جنوب مشرق کی سمت گھومتا ہوا حرم دروازے تک چلا جاتا ہے۔ اِس بازار میں جوتے، کپڑے اور برتنوں سے لے کر روزمرہ استعمال کی ہر چیز دستیاب ہے۔ مگر یہ مُخنّی راستہ سارے کا سارا بازار پر مشتمل نہیں ہے بلکہ یہاں درمیان درمیان میں ہندو اور مسلمان اُمراء اور اشرافیہ کے بڑے بڑے مکانات بھی ہیں۔ شہر کے اندر ہندو، مسلمان اور سِکھ سب مل جل کر رہتے ہیں اور مذہبی اختلاف اور تعصب کم ہی سننے میں آتے ہیں۔ دکاندار اور کاروباری لوگ زیادہ تر ہندو ہیں۔ سب کو مِلا جُلا کر اندرون شہر کی مجموعی آبادی کوئی ایک لاکھ کے لگ بھگ ہوگی جس میں 60 فیصد مسلمان اور تقریباً 40 فیصد ہندو ہوں گے۔ ہندو ایک بڑی تعداد میں مستحکم تاجر، بنیے اور ساہوکار بھی ہیں جن کی مال و دولت اور زر و جواہرات کا کافی شہرہ ہے۔

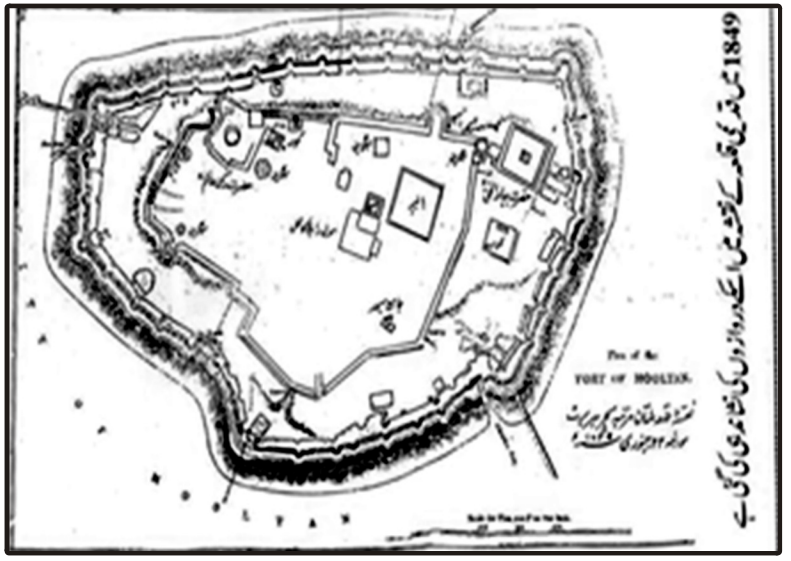

1849ء میں قدیم قلعہ کا نقشہ

ملتان قلعے کا محلِ وقوع اور اُس کی جغرافیائی اہمیت

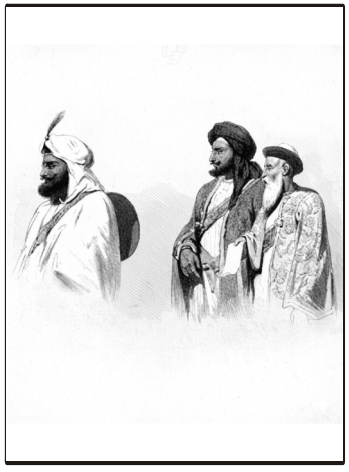

مولراج اور مصاحبین

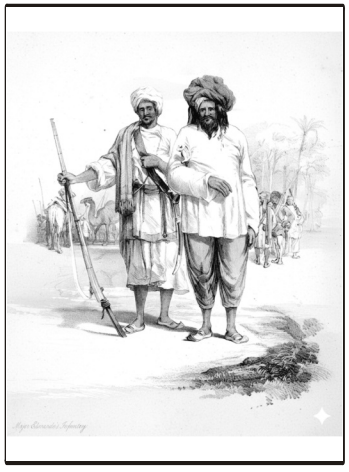

بندوق اور تلوار سونتے ہوئے دو مقامی افراد

شہر میں خرید و فروخت، لین دین، کاروبار اور تجارتی سرگرمیاں عروج پر ہیں۔
ملتان کے بازاروں میں دلی، ممبئی، کلکتہ اور آگرہ کا سامان بھی دستیاب ہے اور کابل، اصفہان، ثمرقند، بخارا، اشک آباد، دوشنبے، آستانہ یہاں تک کہ دمشق اور بغداد کی بنی ہوئی چیزیں بھی آسانی سے مِل جاتی ہیں۔ گلیوں اور بازاروں میں صبح سے شام تک لوگوں کا آنا جانا، میل جول اور کاروباری معاملات رواں دواں رہتے ہیں۔ ملتان کے رنگساز، ظروف ساز، کاشی گر، درکھان، لوہار، سِکلیگر، تعمیرات کے ماہر، پچی کار، جولاہے اور قالین باف ہندوستان کے مختلف شہروں کے علاوہ ہمسایہ ملکوں کے ساتھ بھی لین دین اور کاروبار کرتے ہیں۔ بعض صورتوں میں اپنا ہُنر اور لکڑی، مٹی، تانبے اور چمڑے کی مصنوعات، برتن اور اونی کپڑوں کے ملبوسات ایران، افغانستان، تاجکستان، ترکمانستان حتیٰ کہ وسط ایشیاء کے دوسرے شہروں تک بھی ارسال کرتے ہیں۔ ملتان کا مہین ریشم ہندوستان اور وسط ایشیاء میں یکساں مقبول و معروف ہے۔ سندھ، دلی، کشمیر، اجمیر، لکھنؤ، حیدرآباد اور کلکتہ تک ملتان کی بنی ہوئی نوع بنوع اشیاء فروخت ہوتی ہیں اور دوسرے دور دراز کے شہروں اور ملکوں کی مصنوعات بھی ملتان لائی اور خریدی جاتی ہیں۔ کاروباری اور تجارتی سرگرمیوں کے علاوہ یہاں میلے ٹھیلے، ہولی، دیوالی، بیساکھی، سالانہ عرس اور دوسری مذہبی اور تفریحی سرگرمیاں بھی منعقد ہوتی ہیں۔ گنجان گلیوں، اونچے مکانوں اور بھاری بھرکم فصیل کے باعث، ماسوائے جولائی اگست اور دسمبر جنوری کے، اندرون ملتان کا درجہ حرارت کم وبیش معتدل اور گوارا مزاج رہتا ہے۔

قدرے جنوب اور کچھ جنوب مشرق میں قلعے سے مُتصل ملتان شہر تین اَطراف سے پکی اینٹوں سے بنی ہوئی بہت زیادہ چوڑی، اُونچی اور دیوہیکل فصیلوں سے محفوظ کر دیا گیا ہے جس کے اُوپر تھوڑے تھوڑے فاصلے پر نیم دائروی بڑے بڑے چبوترے ایستادہ ہیں اور اُن چبوتروں کے درمیان چھ اِنچ چوڑے اور تقریباً دو فٹ اُونچے شگاف رکھے گئے ہیں تاکہ

نہ صرف دُشمن پر نظر رکھی جا سکے بلکہ کسی نادیدہ دشمن سے خطرے کی صورت میں گولہ بارود یا بندوقوں سے حملہ بھی کیا جا سکے۔ قلعے کے شمال مغربی جانب مٹی کے بڑے بڑے تودوں سے تنومند پُشتے باندھے گئے ہیں اور اِسی اطرف میں کچھ بے ترتیب، ٹُوٹے پھوٹے ٹیلے بھی ہیں جو درمیان والی ڈھلوان سے تقریباً سَو گز تک ایک طرف سے دوسری طرف کو چلے جاتے ہیں۔ گویا شہر اور قلعہ دونوں اِرد گرد کے میدانی علاقوں سے کافی اونچے ہیں۔ اِتنے اُونچے کہ باہر سے پیادہ سپاہی یا گھُڑ سوار کے لیے فصیل کی دیوار تک پہنچنا تقریباً ناممکن ہے۔(۵) اِسی پہلو ہی سے قلعے کی دیوار کو چند سال پہلے دیوان ساونل مل نے کسی اَن دیکھے خدشے کے تحت دوبارہ تعمیر و مرمت کروایا تھا، ایسی مہارت سے کہ دیکھنے والوں کی آنکھیں دَنگ رہ جائیں۔

توانا اور پُرانا قلعہ اِرد گرد کے میدانوں سے تقریباً 150 فٹ کی بلندی پر ایستادہ ہے۔ روایات کے مطابق شاہجہان اور ممتاز محل کے سب سے چھوٹے بیٹے اورنگ زیب مُراد بخش نے 1640ء میں بھی اس قلعے کی مرمت کروائی تھی۔ دور سے یہ قلعہ ایسے دکھائی دیتا ہے جیسے سارے ہندوستان کی رکھوالی کر رہا ہو۔ قلعے کا اندرون کوئی ڈیڑھ مربع میل کے گھیرے میں واقع ہے۔ قلعہ کے مغرب میں واقع دروازہ دیہہ دروازہ کہلاتا ہے اور یہ دروازہ آدتیہ یعنی سورج دیوتا کے نام سے موسوم ہے۔ دریائے راوی کی جانب جو دروازہ ہے وہ خضری دروازہ کہلاتا ہے اور ایک راستہ حضوری باغ سے بھی خضری دروازے کی طرف آتا ہے۔ قلعے کے جنوب مشرق میں ایک دروازہ جو سکھوں کے ایک گاؤں کی طرف کھلتا ہے سکھی دروازہ کہلاتا ہے۔ جبکہ قلعے کی دیواریں تقریباً 60 سے 70 فٹ اونچی ہیں اور اِس قدر چوڑی ہیں کہ اس پر بیک وقت چھ گھوڑے ایک ساتھ دوڑ سکتے ہیں۔(۶) فصیل بند شہر کے مجموعی طور پر چھ دروازے ہیں: لوہاری دروازہ شہر پناہ کے شمال مغرب کی جانب، دولت دروازہ اور دلی دروازہ شمال اور شمال مشرق کی جانب، پاک دروازہ اور حرم دروازہ کم وبیش

جنوبی سمت اور عظیم الشان بوہڑ دروازہ مشرقی رُخ ایسے ٹھہرا ہوا ہے جیسے دو محافظ آمنے سامنے اپنا دایاں اور بایاں بازو تھام کر ایک محراب سی بنائے ہوئے کھڑے ہوں اور ایک کے دائیں اور دوسرے کے بائیں بازوں میں تیز دھار اَنی والے طویل جثہ آہنی نیزے زمین پر ٹِکے ہوئے ہوں اور وہ اپنے ہی انداز میں کہہ رہے ہوں:

''خبردار! کسی نے نقب زنی کی کوشش کی تو سلامت واپس نہیں جائے گا۔''

حجم یا رقبے کے لحاظ سے متحدہ ہندوستان کے نسبتاً چھوٹے قلعوں میں ملتان کا قلعہ شاید سب سے زیادہ ٹھوس، جاندار اور مستحکم قلعہ ہے۔ دیواریں مِٹی کے ایک بہت بڑے ٹیلے پر چاروں اُور ایک دوسرے کے اوپر اور اندر باہر کھڑی کی گئی ہیں۔ فصیلوں سے باہر مِٹی کی ڈھلوانیں پوٹھوہاری انداز میں کافی دور تک چلی گئی ہیں۔ اِردگرد کی گہری زمین سے ڈھلوان تک کا فاصلہ بھی دس پندرہ گز سے کم نہیں ہوگا۔ قلعہ کی ڈھلانی مہرانی اونچائیوں کو پتلی اینٹوں کے اندر باہر چُونا، مُنجی، کسی چپچپی مادے (شاید دالیں اور چاول کی لئی جو قدیم دور میں پتلی اینٹوں کو اوپر تلے چپکانے کے لئے استعمال ہوتے تھے) اور گارے کے مِکس میٹریل سے انتہائی گھُٹا ہوا اور طاقتور بنا دیا گیا ہے۔ قلعے کی دیواریں انتہائی مہارت، تجربے اور جانکاری سے پکی اینٹوں کے ساتھ چُن کر بھاری بھرکم، جسیم اور تقریباً بیس بائیس فُٹ تک چوڑی کر دی گئی ہیں اور تھوڑے تھوڑے فاصلوں پر باہر کو نکلے ہوئے بڑے بڑے چبوترے ہیں جن پر توپیں نصب کرنے کے لیے یا چاک و چوبند سپاہی مقرر کرنے کے لئے، تین یا تین سے زیادہ بُرجیاں بنا دی گئی ہیں۔ البتہ قلعے کے پشتوں سے ڈھلوانی زمین کی گہرائی تک حفاظتی منڈیروں کے بغیر نسبتاً کمزور تین پُل ہیں، جن کو کسی جارحیت یا جنگ کے دوران آسانی سے ہدف بنایا جا سکتا ہے۔ غالباً سانول مل کو اِن پلوں کو مظبوط کرنے کا خیال نہیں آیا اور مولراج کو وقت نہیں مِلا یا پھر اُس کی توجہ اِس جانب کم رہی۔

اندرون النگ سے (جسے آج کل اندرون شہر کہتے ہیں) متصل قلعے کے شمال مشرقی حصے میں تقریباً بیس میٹر اونچا ایک اور ٹیلہ ہے (جو عصرِ حاضر میں دمدمے کے نام سے موسوم ہے) جس پر کسی ناگہانی حملے کے پیشِ نظر توپیں نصب کر دی گئی ہیں۔ اس لیے اس مقام کو قلعے کے اندر قلعہ بھی کہتے ہیں۔ دمدمے کے جنوب مشرق میں زیرِ زمین ایک بارود خانہ ہے اور اس کے شمالاً جنوباً دو سرنگیں ہیں جنہیں خفیہ طریقے سے طلب رسد اور اگر ضرورت پڑے تو فرار ہونے کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ ان سرنگوں کی اونچائی چھے فٹ اور چوڑائی تقریباً سات فٹ ہوگی۔ مگر ملتان قلعے کے اندر سرنگیں چھوٹی اور محدود تھیں۔ اگرچہ ان کے بارے میں کہانیاں بہت گردش میں رہیں لیکن معلوم ہوتا ہے کہ وہ بہت زیادہ جنگی حکمتِ عملی سے نہیں بنائی گئی تھیں اور یہ بھی بعید نہیں کہ بہت سی ایسی سرنگیں رنجیت سنگھ کے متعدد حملوں میں ناقابلِ استعمال ہوگئی ہوں اور انہیں کبھی اپنی سابقہ حیثیت میں بحال نہ کیا جا سکا ہو۔ تاہم شدید بمباری کے دوران عام لوگوں کے لیے کچھ چھپنے کی جگہیں ضرور باقی تھیں۔ قلعے کی دیوہیکل بُرجیوں کی دیواریں، جن کے اندر پرانی طرز کی توپیں نصب ہیں، قصداً چھوٹی رکھی گئی ہیں۔ اِس قدر کہ یہاں پر جَڑی گئی توپیں زمین سے بھی صاف دکھائی دیتی ہیں۔ حرم دروازے کی جانب قلعے کا تیسرا اور آخری پُشتہ جہاں پر قلعہ ختم ہوتا ہے کم و بیش غیر اہم نظر آتا ہے جو کہ قلعے کی پائیداری میں شاید ہی کوئی اضافہ کرتا ہو۔ مگر اِسی بیرونی دیوار میں کُچھ کُچھ فاصلوں کے بعد گنبد نما بڑی بڑی عمارتوں کی ایک ترتیب سی ہے جن کے اندر قلعے کی محافظ افواج قیام کرتی ہیں۔ ویسے تو یہ عمارتیں کُشادہ اور فوجی رہائش کے لئے انتہائی مناسب ہیں لیکن اِتنی غیر محفوظ اور آگے کو یوں نکلی ہوئی کہ بڑی آسانی سے توپ کے گولوں اور فائرنگ کی زد میں آسکتی ہیں۔ البتہ دیہہ دروازے اور خضری دروازے کے درمیان کی فصیل، پشتے اور بُرجیاں غیر معمولی حد تک بھاری بھرکم اور مضبوط ہیں۔

قلعہ کے اندر جنوب مغرب کی جانب ایک وسیع و عریض میدان کم و بیش خالی پڑا ہوا ہے۔ البتہ اِس میدان کے تقریباً وسط میں ملتان کے مہاراجہ مُولراج کا محل اور باغیچہ ہے اور اِسی محل میں تقریباً چار ساڑھے چار سال پہلے سانول مل قیام پذیر تھا جو نواب مظفر خان کے بعد ملتان کا طویل ترین عرصے تک حکمرانی کرنے والا صوبیدار تھا۔ اِس میدان کے دائیں بائیں اسلحہ خانے، بارود گھر اور کُچھ چھوٹی بڑی عمارتیں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر اِدھر اُدھر بکھری ہوئی ہیں۔ چار دیواری کے اندر شمالاً جنوباً ایک نہایت خوبصورت مسجد بھی ہے جس کا آسمان کو چُومتا ہوا گنبد دُور سے نہایت مقدس اور دیدہ زیب دِکھائی دیتا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ قلعے کے اَندر کئی چھوٹے بڑے ریت مٹی کے ٹیلے اور کُچھ چھوٹی بڑی بُرجیاں بھی ہیں جن کے اُوپر پُرانی طرز کی سینکڑوں گز تک نشانہ باندھنے والی بندوقیں اور توپیں جمادی گئی ہیں۔ یہ توپیں پرانی ہونے کے باوجود بلا شُبہ کافی فاصلے تک دشمن کو ہدف بنانے کی صلاحیت رکھتی ہیں اور یہ پہلے بھی چند ایک مرتبہ بڑی حد تک قلعۂ ملتان اور اُس کی نواحی آبادیوں کو محفوظ رکھنے میں کامیاب رہی ہیں اور آئندہ بھی یہی توقع ہے۔

مرکز میں موجود پُرشکوہ مسجد سے جنوب کی جانب ملتان شہر کا سادہ مگر صاف ستھرا اور کُھلا کُھلا منظر دیکھا جا سکتا ہے۔ یہاں سے ملتان کے رگ و پے میں ہزار ہا برس سے آباد، حیات بخش، سُرخی مائل اور دھیرے دھیرے بہنے والا دریائے چناب واضح دکھائی دیتا ہے۔ حتیٰ کہ چناب اور شمال مغربی ہندوستانی ثقافت کے امین عظیم دریائے سندھ سے دُور مغرب کی جانب پُراسرار دیوی دیوتاؤں کے مَسکن کوہ سلیمان (بلوچستان) کا سلسلہ بھی دُھندلا دُھندلا سا دیکھا جا سکتا ہے اور بارش کے بعد تو یوں معلوم ہوتا ہے جیسے سامنے ہی شہر کی دیوار ہو اور سب سے بڑھ کر دریائے چناب اور دریائے سندھ کے آزاد اور چوڑے پاٹوں کے مشرق اور مغرب میں دور دور تک ہرے بھرے جنگل ہیں اور پھر ملتان شہر اور دریاؤں کے درمیان وسیع و عریض

میدانوں میں پھیلے ہوئے کھیت کھلیان۔ یہاں پر ہر موسم کا پھل اور سبزیاں بہت وافر مقدار میں اُگتی ہیں اور ساتھ ہی ساتھ اپنے اپنے موسم میں گیہوں، گنا، جو، جوار، چاول اور باجرہ کے کھیت بھی لہلہاتے ہیں۔ یہاں پر عمدہ نوعیّت کی کپاس بھی اُگتی ہے۔ اگر بھاری محصولات نہ ادا کرنے پڑیں تو کسانوں کو خود کفیل اور خوشحال کہا جا سکتا ہے۔

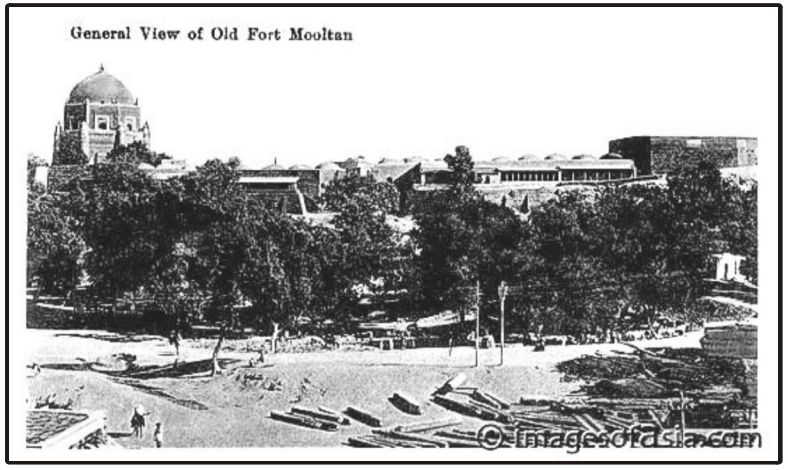

پرانے ملتان قلعے کا ایک منظر[1]

1. Source of the picture:
https://www.facebook.com/photo?fbid=10205658799291584&set=a.10205658749730345

ملتان شہر کے گرد اگرد بھی ایک گھنا جنگل آباد ہے، جس میں شیشم، پیپل، نیم، کیکر، سرینہہ، کریہہ اور برگد کے سرسبز اور دائیں بائیں پھیلتے پھولتے ہوئے صَد شاخہ درخت حبس کے مہینوں میں سنجیدہ بزرگوں کی طرح چُپ اور ہوادار موسم میں شریر بچوں کی طرح کھلکھلاتے رہتے ہیں۔ مالٹا، آم، شہتوت، لیموں، سنگترے اور کھجوروں کے باغات عام ہیں جو موسم کے مطابق ہرے پیلے بُور اور پھلوں سے لدے پھندے رہتے ہیں۔ سبزیاں میٹھی اور ذائقہ دار ہیں۔ اِن کے عِلاوہ کئی طرح کی جھاڑیاں، گھاس، خُودرَو پھول پودے، چھوٹے بڑے درخت، بیلیں اور اَنجانے پھل پھول اور جڑی بوٹیاں بھی خوش وخرم آتی ہیں۔ طبی خصوصیت کی بنا پر طبیب اور حکیم بہت سی بُوٹیوں کی تلاش میں رہتے ہیں اور یہ سب کچھ مل کر ملتان کے گردونواح کا منظر اور ماحول اِنتہائی خوشگوار اور دِلکش بنا دیتے ہیں۔

اِس کے علاوہ پورے شہر میں مسلمانوں کی محراب دار مساجد، ہندوؤں کے تکونی مندر اور دونوں دھرموں سے متعلق بہت سے اور معبد، دربار اور دوسرے مقدسات اِدھر اُدھر اُستوار، نمایاں اور خوش باش دکھائی دیتے ہیں۔ اِکا دُکا معمولی طرزِ تعمیر کے گردوارے بھی کہیں کہیں دکھائی پڑتے ہیں مگر اِن کی تعداد نہایت ہی کم ہے۔ دُور سے یہ ساری عمارتیں موزَیک کی طرح رنگارنگ اور متنوع منظر پیش کرتی ہیں اور مقامی لوگوں کے نزدیک اپنے اپنے عقیدے کے مطابق سب کی سب انتہائی محترم اور معتبر حیثیت رکھتی ہیں۔

قلعے کے بیرون عام خاص باغ کے پہلو میں شاہ شمس سبزواری اور دیوان ساونل مَل دونوں کے مقبرے قابل ذکر اور نمایاں ہیں۔ دربار شاہ شمس عیدگاہ کے جنوب جبکہ دیوان ساون مل کی سمادھی دربار کے شمال مشرق میں عام خاص باغ کے احاطے کے اندر ہے جسے مولراج نے اپنے باپ کی وفات کے بعد 1844ء میں تعمیر کروایا تھا۔ ہَشت پہلوی گنبد نما یہ عمارت مذکورہ باغ کے شمال مشرقی حصے میں ہے، کیونکہ یہاں سے تھوڑے سے فاصلے پر

اُس کا قتل ہوا تھا اور یہاں سے قریب ہی اُس کی چِتا جلائی گئی تھی۔ گنبد کے اُوپر وسط میں سمادھی کا ایک چھوٹا سا کلس ہے اور گہرے بھورے رنگ کی گولائیاں، مخروطی گنبد اور ہشت پہلوی دیواریں اور مُنقش اور پھول دار حصے سے ملائی گئی ہیں؛ بیرونی محرابوں کی ساخت اپنے وقت کے عالیشان مغل فنِ تعمیر کا بہترین نمونہ ہے۔ سمادھی کی بنیاد سے چار فٹ ہَٹ کر بنایا گیا ایک مُثمن چشمہ ہے جس کے دالان میں موجود ایک کنویں سے بھرا گیا تازہ پانی گُلکاریاں کرتا رہتا ہے اور سمادھی کے آس پاس اور اندر کی فضا کو سمادھی کے اندر جلائے جانے والی اگر اور دوسری خوشبوؤں سے مُعطر رکھتا ہے، سمادھی اور بیرونی زمین کے درمیان تقریباً آٹھ پُلیاں ہیں۔

عام خاص باغ میں ماگھ کے اُبھرتے ہوئے اور بھادوں کے ڈوبتے ہوئے چاند کے دنوں میں ہنستا کِھلکھلاتا اور شور مچاتا میلا منعقد ہوتا ہے۔ سناتن دھرم سکول کے قریب ہونے کی وجہ سے یہ باغ ہندوؤں کے سماجی اور ثقافتی تہواروں کا مرکز ہے۔ گھوڑوں ٹانگوں پر سخی سرور کے عرس پر جانے والے سنگھ بھی راستے میں یہیں قیام کرتے ہیں۔ یہاں یہ ذکر کرنا بے جا نہ ہوگا کہ 1818ء کی رنجیتی جارحیت کے بعد قلعہ مُعلیٰ ملتان کی دوبارہ تعمیر و تقویّت بھی ساون مل نے ہی اپنی حکمت، تدبیر اور محنت سے کرائی، نہ صرف یہ بلکہ بہت سی نئی عمارات اور باغات مثلاً مرمتِ عام خاص باغ، شوالہ بوہڑ دروازہ، پختہ تالاب سورج کنڈ، مکاناتِ بدھلہ سنت، دروازوں اور النگ کے بیرونی پُشتے وغیرہ بھی ساون مل نے ہی بنوائے تھے۔ آبپاشی کے نظام کو بھی اُسی نے ہی بہتر کروایا تھا تاکہ زیادہ سے زیادہ لگان وصول کر کے وہ رنجیت سنگھ اور خالصہ دربار کو مطمئن رکھ کر ملتان میں اپنی جزوی آزادی اور عملداری برقرار رکھ سکے۔ (۷)

بہاءالدین زکریا ملتانی (وفات: 1268ء) کا مزار عیدگاہ کے تقریباً ڈیڑھ میل

جنوب میں دولت دروازے کی جانب فصیلِ شہر سے متصل قلعہ کہنہ پر واقع ہے۔ یہ ہشت پہلوی عمارت سلطان شمس الدین التمش نے اپنے دورِ حکومت (1211ء-1236ء) میں تعمیر کروائی تھی۔(۸) اِسی کی شبیہ پر ایک مزار شاہ رکنِ عالم (وفات:1335ء) کا بھی ہے جو اِس مزار کے عین سامنے مغرب میں چند میٹر مزید اونچا تعمیر (1320ء تا 1324ء) کیا گیا ہے۔ اِس کے در و دیوار بھی ہشت پہلوی سرخ اور دھاری دار سبز اینٹوں سے مُزین ہیں، دونوں درباروں کے سامنے والے داخلی دروازے کے اوپر اور دیوار کے وسط میں منقش نیلی ٹائلیں جڑی گئی ہیں جبکہ دونوں کے گنبد گول اور قوی الجثہ ہیں جن کی بنیادی گولائی میں آنکھوں کو بھلی معلوم ہونے والی دائروی نیلی پتیوں کی ترتیب ہے۔ شاہ رکنِ عالم کا مقبرہ غیاث الدین تغلق نے اپنی دہلوی سلطنت کے دوران (1320ء تا 1325ء) بنوایا تھا لیکن اپنے پیر و مرشد اور رکنِ عالم کے پہلے وفات پا جانے پر اُن کی تدفین کے لئے وقف کر دیا۔(۹)

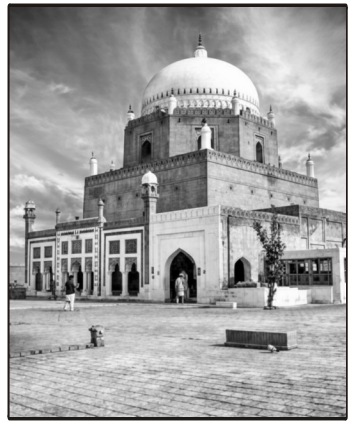

شاہ رکن عالم ملتانی کی درگاہ

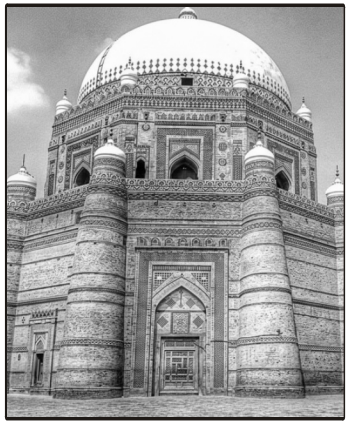

بہاءالدین زکریا ملتانی کی درگاہ

منفرد بات یہ ہے کہ بہاءالدین زکریا کے دربار سے منسلک چند گز جنوب مشرق میں تقریباً ہزار سال پرانا اور ہندوؤں کے نزدیک اِنتہائی پوتر پرہلاد کا مندِر ہے جو ہندوؤں

کے دیوتا، وِشنو کے اوتار نرسیہما سے منسوب ہے جس پر گنیش اور ہنومان کا سایہ رہتا ہے یا یوں کہیے کہ گنیش اور ہنومان اِس کی حفاظت پر مامور ہیں۔ پرہلاد کا مندر سورج کُنڈ کے بعد ملتان میں ہندوؤں کی پوجا پاٹ کا سب سے بڑا مرکز ہے جہاں ہر سال نرسیہما دیوتا کے نمودار ہونے کی خوشی میں ایک تہوار منایا جاتا ہے۔ اِس کا بنیادی ڈھانچہ سادہ، چوکور مگر بالائی چوبی چبوترہ نفیس اور خوشنما ہے۔ یہ مندر 1810ء میں دوبارہ تعمیر کیا گیا تھا اور پرہلاد، جس کے نام سے یہ مندر موسوم ہے، ملتان کے اولین حکمرانوں میں سے ایک یعنی ہرناکشپ کا بیٹا تھا جسے وحدانیت پسند حکمران دیوتا بھی تصور کیا جاتا ہے۔(۱۰) ہر چند کہ سورج کُنڈ میں سوریا، یا سورج دیوتا کے عظیم الشان مندر کی داستانیں بہت عام ہیں جسے کرشنا کے بیٹے سامبا نے بنوایا تھا اور وہ گجرات کے مادھورا اور اڑیسہ کے بعد سوریا، یا سورج دیوتا کا تیسرا معروف مندر تھا لیکن اُنیسویں صدی کے وسط میں بھی جس مندر کے آثار باقی ہیں وہ انتہائی خستہ حال چہار رُخی سادہ طرزِ تعمیر کا ایک عام سا مندر ہے۔ نہیں معلوم کہ اٹھارویں صدی میں واقعی اُسے گیارہویں صدی کے ملتان کے قرامطی دورِ حکومت یا محمود غزنوی کی یلغار میں ڈھیر کر دیا گیا تھا جو کہ ہندو باسیوں میں مشہور ہے یا پھر یہ ہندو کمیونٹی کی ایک داستانوی فینٹسی ہے۔

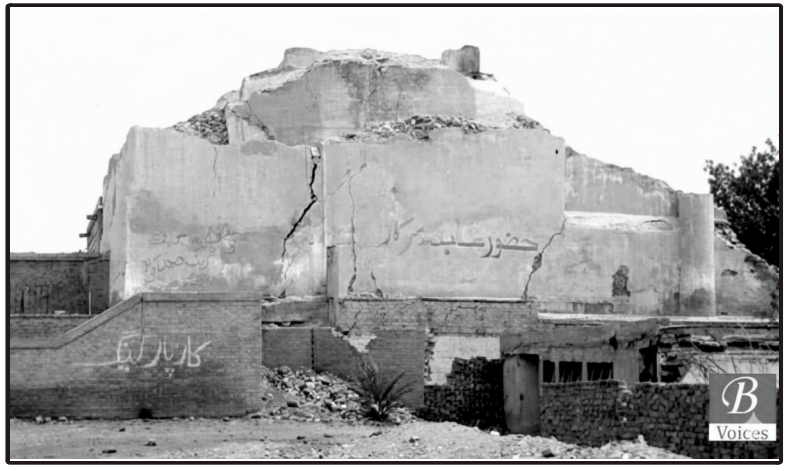

منہدم شدہ پرہلاد مندر کی موجودہ تصویر۔ افسوس کوئی درست پرانی تصویر دستیاب نہ ہو سکی

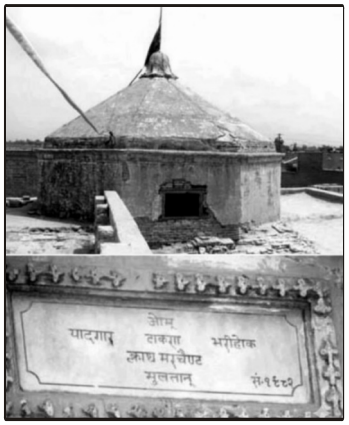

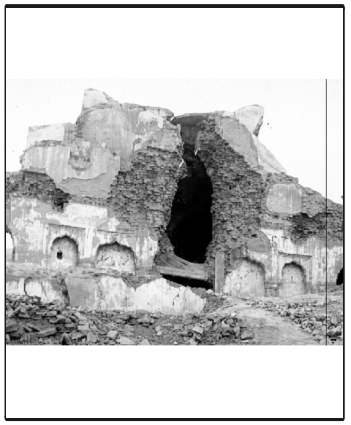

پرہلاد کا مخدوش مندر

سورج کُنڈ۔ادتیا دیوتا کا مندر

عیدگاہ قلعہ کُہنہ کے عین شمال میں تقریباً ایک میل کے فاصلے پر واقع ہے اور حفاظت کے پیشِ نظر قلعہ کی توپوں کے ہدف کے دائرہ کار میں شامل ہے۔ بطور ایک جامع مسجد کے یہ عیدگاہ مغل بادشاہ محمد شاہ کے دور (1719ء-1718ء) میں ملتان کے گورنر نواب عبدالصمد خان تورانی (1726ء تا 1738ء) نے 1735ء میں تعمیر کروائی تھی۔(۱۱) مسجد کے سات گنبد اور سات دروازے ہیں۔ مسجد کے اندرونی در و دیوار اور گنبدوں کی نقاشی، اسلامی خطاطی، پھول پتیاں اور نیلی ٹائلوں پر بنے نقش و نگار قابلِ ذکر اور قابلِ دید ہیں۔ مسجد کا دالان 250 فٹ لمبا اور 50 فٹ چوڑا ہے۔ اِس کے دونوں اطراف میں منفرد نوعیت کے تین تین اور چھوٹے چھوٹے گنبد ہیں جو کہ مسجد کے دالان سے زیادہ واضح نظر آتے ہیں۔ مسجد کے اِحاطے کا فرش اپنی لمبائی چوڑائی میں دالان سے بڑا ہے۔ مسجد کے داخلی دروازے پر کوئی تحریر کندہ نہیں ہے البتہ گنبد کے اُوپر ''اللہ الصمد'' لکھا ہوا ہے۔ اِس کے سامنے ایک راستہ دولت دروازے کی طرف آتا ہے اور تھوڑے سے جنوب مغرب میں ایک اور راستہ قلعہ کی

جانب نکل جاتا ہے۔

عیدگاہ کے جنوب مشرق میں اور قلعہ سے تقریباً آدھے میل کے فاصلے پر قدرے شمال مغرب میں اِسمٰعیلی نظریۂ اسلام سے تعلق رکھنے والے ایک معروف صوفی بزرگ شاہ شمس سبزواری کا مزار ہے (وفات 1276ء)، جو 1200ء کے اوائل میں ایران کے شمال مشرقی شہر سبزوار سے ملتان تشریف لائے تھے۔ یہ دربار 1330ء میں موصوف کے پوتے صدرالدین عارف نے قدیم دریائے راوی کے مشرقی پہلو میں عام خاص باغ کے قریب تعمیر کروایا تھا۔ اس دربار کی اونچائی تقریباً اَسّی فٹ ہے اور یہ بھی اپنے خوبصورت پیلے سبز گنبد اور تین حصوں پر مشتمل، ہشت پہلوی در و دیوار اور ماہرانہ طرزِ تعمیر کی علامت اور ملتان کی مخصوص نیلی مگر زیادہ سبز کاشی گری اور مغل آرکیٹیکٹ کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ تاہم اِس عمارت کی ہشت پہلوی دیواروں تلے ایک چوکور بنیاد ہے جو اِس کی خوبصورتی میں مزید اضافہ کرتی ہے۔ یہاں پر مسلمانوں کے ساتھ سَت پنتھی بھی عبادت اور ریاضت کے لیے آتے ہیں۔ کسی سبب آتش زدگی کا شکار ہونے کے بعد دربار کو 1779ء، شاہ عالم ثانی کے دور میں دوبارہ تعمیر و مرمت کروا کے اپنی اصلی شان پر بحال کیا گیا ہے۔(۱۲)

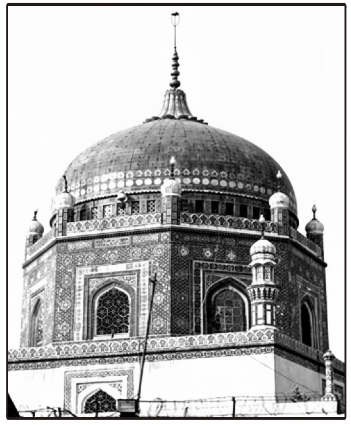

دربار شاہ شمس سبزواری

قلعے کے اِردگرد قدرے کم اور بکھری ہوئی، نسبتاً نشیب میں موجود یہی آبادی اور وسیع وعریض کھیت کھلیانوں کی وجہ سے میل ہا میل تک قلعہ پر موجود متذکرہ بالا کئی دوسری عمارات دور سے دِکھائی دیتی ہیں۔ ایسے جیسے اماوس کی راتوں میں جوار بھاٹا سے متلاطم سمندر میں بھی دور دور سے روشنی کا منارہ دکھائی دیتا ہے۔

اندرونِ ملتان یعنی فصیل سے باہر بہت سے باغات ہیں جہاں اُنیسویں صدی کے آغاز سے ہی اِکا دُکا انگریز آباد ہونا شروع ہو گئے تھے اور یہاں سوِل اتھارٹیز کے دفاتر بننا بھی شروع ہو گئے تھے۔ اَلنگ سے باہر اور شہر کے گِرد و نواح میں سینکڑوں کچے پکے، بلکہ زیادہ تر کچے، مکانات ہیں اور اُن میں سے کئی ایک کی حالت ناگُفتہ بہ ہے۔ انگریزوں کے لئے اِن بستیوں میں سے گزرنا یا گھومنا پھرنا، بالخصوص جنگ کشی کے دوران، کوئی آسان بات نہ تھی۔ آبادی سے باہر کے میدان اور کھیت کھلیان کم وبیش ہموار اور نہایت زرخیز ہیں جن کی آبیاری ایک طرح کے منصوبہ بند اور مؤثر نہری نظام اور کنوؤں سے ہوتی ہے۔

یہاں پر اعلیٰ معیار کا مقامی چنا، جَو، گندم، باجرہ اور دالیں کاشت کی جاتی ہیں۔ بہت سی کپاس اور کچھ تمباکو بھی اُگایا جاتا ہے اور تھوڑی سی افیون بھی (مگر اِس کی کوالٹی ناقص ہے)۔ ساگ، شلجم، سُہانجنا، بینگن، آلو، دھنیا، پیاز، لہسن، گوبھی اور ریوند چینی اور بہت سی خوش ذائقہ سبزیاں اور رَس بھرے پھل نہایت وافر مقدار میں پیدا ہوتے ہیں۔ اَن گنت گائیں، بھینسیں اور بھیڑ بکریاں جنگل اور رکھوُ کھ میں چہار جانب آزاد گھومتی پھرتی اور قدرتی چراگاہوں سے سیر ہوتی ہوئی ملتی ہیں۔ تاہم مجموعی طور پر ملتان کی آبادی انتہائی کم اور متفرق ہے۔ زمین کے بڑے بڑے زرخیز خطے عدم توجہ اور اور انتظام کاری سے عاری ہونے کی وجہ سے انتہائی کم پیداوار دیتے ہیں۔ غور کیا جائے تو تھوڑی سی محنت، توجہ اور منصوبہ سازی سے سالانہ علاقائی پیداوار میں دس گنا اضافہ کیا جا سکتا ہے۔ اِس کے باوجود بھی جو کچھ پیدا ہوتا

ہے وہ مقامی آبادی کی ضرورت سے بہت زیادہ ہے۔ بعید نہیں کہ تاریخ کے مختلف ادوار میں جارحیت پسندوں کے لیے ملتان کی وافر پیداوار بھی ایک کشش رہی ہو۔

یہاں کی گرم مرطوب اور قدرے غیر مہربان اور غیر مہمان نوازانہ آب و ہوا کے بارے میں بہت کُچھ لکھا اور کہا جاتا رہا ہے اور یہ تک بھی کہ یہاں کی گرمی جہنم کی گرمی سے کم نہیں ہوگی۔ اِس میں کوئی شک نہیں کہ ملتان میں سال کے چھ مہینے کم وبیش شدید تپش، گرمی یا حبس میں بسر ہوتے ہیں اور ہندوستان کے چند ہی اور مسکن اِس قدر گرم ہوں گے جس قدر ملتان ہے۔ مگر راوی اور چناب کنارے واقع ہونے کی وجہ سے پانی میٹھا اور فضا موزوں رہتی ہے اور ساتھ ہی ساتھ ملتان کی ایک یہ بھی خوبی رہی ہے کہ یہاں مسلسل ہوا چلتی رہتی ہے اور شام کو فضا اِس قدر معتدل ومناسب ہو جاتی ہے کہ نو وَارد انگریز اور یورپین بھی چین کی نیند سو سکتے تھے اور وہ اُنیسویں صدی کے وسط میں نہایت قلیل تعداد میں اِردگرد آباد ہونا بھی شروع ہو چکے تھے اور آہستہ آہستہ یہ سلسلہ اب بھی جاری تھا۔ شہر کی راتیں، ہوا میں نمی کا تناسب کم ہونے کے باوجود، خوبصورت، نسبتاً ٹھنڈی میٹھی اور اِستراحت بخش ہو جاتی ہیں۔

جہاں تک آب و ہوا کا تعلق ہے ہندوستان کے وسیع وعریض خطے میں کم ہی علاقے اِتنے فرحت افزا ہیں جہاں پر یورپین اور انگریز افواج بھی تسلی بخش طریقے سے ٹھکانہ کر سکیں، جب تک کہ اُن کے لئے بڑے بڑے، اونچی چھتوں والے، ہوادار اور قابلِ رہائش کوارٹرز کی مسلسل اور مخصوص تعمیر نہ کی جائے جو گرمیوں اور سردیوں دونوں کے لئے موافقِ حال اور اُن کے مزاج کے مطابق ہو۔ اِسی طرح بیرکوں کی تعمیر کے لیے اونچی جگہوں کی تلاش بھی ضروری ہے، یہ ذہن میں رکھتے ہوئے کہ کم بارشی علاقہ ہونے کے باوجود ایسا ہرگز نہیں کہ یہاں پر بارش ہوتی ہی نہیں ہے۔ لیکن جب بارش ہوتی ہے تو پھوڑے پھنسیاں، بخار اور پیچش کی وباء عام ہو جاتی ہے جو کہ عدم مطابقت اور قوتِ مدافعت نہ ہونے کے باعث

یورپئین ساکنین اور افواج کے لیے نہ صرف نا قابلِ برداشت بلکہ نہایت خطرناک ہے۔ مگر اُن کے لئے خوش آئند بات یہ تھی کہ ملتان میں بارش ہوتی ہی نہایت کم ہے۔ اگر تل وطنی لوگوں سے پوچھا جائے تو وہ آپ کو بتائیں گے کہ یہاں بارش تقریباً نہ ہونے کے برابر ہوتی ہے اور وہ یہ بھی بتاتے ہیں کہ گزشتہ آٹھ دس سالوں میں تو بارشیں اور بھی کم ہوئی ہیں۔ آب و ہوا کے نامہربان مزاج کے باوجود ملتان پدیشی آبادکاروں کے لیے بہت سے اور افادوں اور وسائل کی دست بُرد کے لئے ایک بہترین مقام تھا۔ سب سے بڑھ کر دریائے چناب کی ہمسائیگی کے سبب، زرخیزی اور آبیاری کی فراہمی کے علاوہ دریائے چناب صدیوں سے نقل و حمل اور چھوٹی بڑی کشتیوں پر علاقائی سفر کے لئے معاون ثابت ہوتا رہا ہے۔ کنارے پر ٹھہر کر دیکھا جائے تو دریائے چناب ایک بڑے پاٹ والا، گہرا اور سُرعت سے بہنے والا سرخ دریا معلوم ہوتا ہے اور مقامی پھل پھول، زرعی پیداوار اور مال مویشی کی بڑھوتری میں اِس کا کردار نہایت فیاضانہ رہا ہے اور یہ کشتی بان بار برداری کے ذریعے سامان کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لانے لے جانے کے لیے بھی استعمال ہوتا رہا ہے۔ (۱۳)

1840ء کی دہائی میں یورپئین سیاحوں کی نظر میں بھی ملتان شہر ایک مناسب آبادی والا، انتہائی مضبوط، محفوظ اور خوشحال شہر سمجھا جاتا تھا۔ مقامی لوگوں کی رائے میں قلعۂ ملتان نا قابل شکست حد تک قوی الجثہ، پختہ اور مضبوط قلعہ تھا جسے زیر کرنا کوئی آسان بات نہ تھی اور یہ بات تاریخ سے ثابت بھی تھی۔ (۱۴) ہر چند کہ اپنے توسیع پسندانہ عزائم کی تقویت کے لیے مہاراجہ رنجیت سنگھ نے 1802ء سے 1818ء تک پے در پے حملے کر کے بالآخر ملتان قلعے اور شہر پر اپنے مخاصمانہ پنجے گاڑ لیے تھے مگر ملتان کے داخلی معاملات میں اُس کا اثر و تصرف علامتی سا ہی رہا۔ 1821ء سے 1844ء تک ملتان پر دیوان سانول مل چوپڑا حکمران رہا جس کا رویہ انتہائی سخت گیر اور جابرانہ تھا مگر محصول کی بروقت اور حسبِ

معاہدہ ادائیگی کی وجہ سے وہ رنجیت سنگھ اور اُس کی باقیات کے لیے دو دہائیوں سے زیادہ ایک قابلِ قبول حکمران رہا۔ جب 1844ء میں دیوان سانول مَل اپنے ایک تنگ آمد بجنگ آمد سپاہی صاحب خان کے ہاتھوں مارا گیا تو اُس کا بڑا بیٹا دیوان مُولراج ملتان کے تخت پر براجمان ہوا۔ جب 1842ء تا 1847ء تک وسطی اور شمالی پنجاب میں انگریزوں کی ریشہ دوانیاں بہت بڑھنے لگیں تو ملتان پر بھی انگریز سامراجیت کا سایۂ ہوس مَنڈلانے لگا۔ مگر کسی ناگہانی واقعے یا کسی ٹھوس عذر سے پہلے شاید وہ اس کے لئے مکمل طور پر تیار نہ تھے۔

دیوان مولراج چوپڑا، گورنر ملتان
(1814ء–1851ء)

☆☆☆

دوسرا باب

لیفٹیننٹ وانس اگنیو اور لیفٹیننٹ ولیم اینڈرسن کی ہلاکت اور پیش منظر

ہندوستان کے بیشتر صوبوں پر دھونس دھمکی، ساز باز یا جھوٹے سچے معاہدوں کے ذریعے اپنے پنجے گاڑنے کے بعد سندھ اور ملتان ایسٹ انڈیا کمپنی یا بالراست برطانوی تسلط میں آنے والے آخری چند علاقوں میں شامل تھے۔ فروری 1843ء میں چارلس نیپیئر کی جرنیلی میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے پہلے ہالہ، ٹیاری اور میانی پر تالپور حکمرانوں کے اقتدار کا خاتمہ کیا، جو ''میر'' کہلاتے تھے اور پھر مارچ 1843ء میں حیدرآباد پر تالپوروں کے ساٹھ سالہ اقتدار کا خاتمہ کیا۔ جب کمپنی نے صوبہ سندھ کو اپنے دائرۂ تسلط میں شامل کیا اُس وقت حیدرآباد پر میر ناصر خان تالپور، خیر پور پر میر رستم خان اور میر پور خاص پر شیر محمد خان کی حکومت تھی۔ درج بالا شہروں کو بمبے پریذیڈنسی کے ماتحت کرنے کے پانچ سال بعد بھی (۱۵) یعنی 1848ء تک ملتان پہلے سانول مل اور پھر مولراج کی سرکردگی میں بڑی حد تک آزاد اور خودمختار صوبہ تھا۔ یعنی اوائل انیسویں صدی سے 1818ء تک رنجیت سنگھ کی مکّر رجارحیت کے بعد کوئی تیس سال تک یہی صورتِ حال رہی کیونکہ رنجیتی سرکردگی کا بڑا مقصد یہاں سے زیادہ سے زیادہ محصول وصول کرنا تھا نہ کہ براہِ راست حکمرانی۔

ریاست ملتان کے دفاع اور اِستعمار دُشمنی میں پیٹرک وانس اگنیو اور ولیم اینڈرسن کے حادثاتی یا عمداً قتل سے پہلے یا تو کمپنی بہادر کے افسران ملتان کی قوت و اِمتیاز کے بارے میں بہت کم آگاہ تھے یا پھر وہ کسی سوچی سمجھی حکمتِ عملی کے تحت تا حال ملتان پر دھاوا نہیں بولنا چاہتے تھے جس میں موسمِ گرما بھی ایک رکاوٹ سمجھا جاتا تھا۔ مگر سندھ پر اپنا راج پاٹ قائم کرنے کے بعد دریائے سندھ کی آبی تجارتی شاہراہ، جنوب میں مشرقِ وسطیٰ

اور شمال مغرب میں وسط ایشیاء سے تجارت حتیٰ کہ سوویت روس کی ممکنہ جارحیت کے خلاف دفاعی لائین کے پیشِ نظر اُن کی نظروں میں دریائے سندھ، دریائے چناب اور ملتان کی اہمیت بہت بڑھ گئی تھی۔ لیکن اِس کے باوجود مجموعی طور پر اُس دور کے یورپین لوگوں نے اِس قدیم و عظیم شہر کے بارے میں بہت کم سُنا تھا اور ہندوستان کے دوسرے والیانِ ریاست اور نوابین کی نظر میں بھی شاید ملتان اِس قدر اہم شہر یا دفاعی مورچہ نہ تھا۔

ماضی قریب میں شاید کسی منصوبہ سازی یا اَن دیکھے خدشے کے پیشِ نظر مُولراج کے باپ دیوان سانول مل نے تعمیراتی ترامیم واضافوں سے قلعۂ ملتان کو ناقابل تسخیر بنانے پر بھرپور توجہ دی۔ بدلتی ہوئی سیاسی صورتِ حال کے مدِنظر اور انگریز سامراج کی تیزی سے وسعت اختیار کرتی ہوئی استعماریت کے کارپرداز یعنی 'اگنیو اور اینڈرسن کو' ملتان کے چند ایک مشتعل سِکھ سپاہیوں نے مُولراج کی مرضی کے برخلاف اور نتائج سے بے خوف وخطر مار ڈالا تھا۔ اِس طرح کی غیر متوقع اور پریشان کُن صورتِ حال پیدا ہونے کے بعد مولراج کو اندازہ ہو گیا تھا کہ انگریز اُن کا بدلہ لینے آئے کہ آئے۔ اپنی زمین، اَپنے لوگوں سے وفاداری کے اِسی جُرات مندانہ اقدام کی پاداش میں ہی برطانوی اِستعماری ایجنٹ اصل میں ملتان کے قدیمی باسیوں اور فرمانروائے ملتان کے اِسم و وجود کے درپے ہو گئے تھے۔ اب وہ ملتان شہر کے باسیوں کو اپنے گھوڑوں کی ٹاپوں تلے روندنا اور اپنی توپوں کی دھنا دھن اور شمشیر و تفنگ کی گھن گرج سے دہلانا اور دبانا چاہتے تھے اور چاہتے تھے کہ ملتان کی تاریخی عزت و تکریم کو اپنے نوآبادیاتی تسلط اور استحصالی بوجھ تلے نہوڑا کر والیٔ ملتان دیوان مُولراج کو نشانِ عبرت بنایا جائے، مگر اُنہیں اندازہ نہیں تھا کہ ملتان کو تسخیر کرنا شاید اتنا آسان نہیں ہوگا جتنا وہ تصور کر رہے تھے۔ ماضی میں کئی اور حملہ آوران بھی یا تو یہاں سے ٹھوکر کھا کر لوٹ گئے تھے یا پھر دائم آباد ملتان اپنی خاکستر سے دوبارا اُٹھ کھڑا ہوا تھا اور اَب کی بار بھی اگرچہ

دفاع ممکن نہیں تھا تو ملتان کو کچلنا آسان بھی نہیں تھا۔

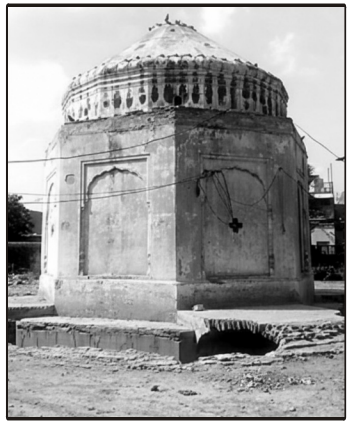

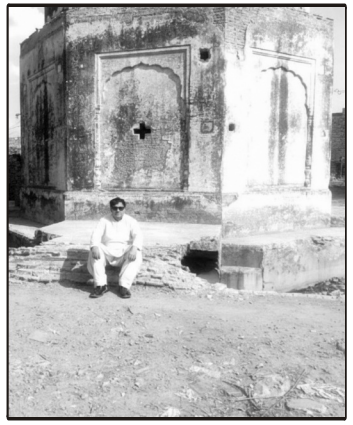

دیوان ساونل مل کی سمادھی کے دو رُخ اور راقم

1840ء کا عشرہ آتے آتے ایک بپھری ہوئی، منقسم مگر خود کار فوج کے بڑھتے ہوئے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے خالصہ دربار کی باج گزاری کے تقاضوں میں روز افزوں اضافہ ہوتا چلا جا رہا تھا۔ 1848ء کے آغاز میں دیوان مولراج کو 30 لاکھ روپے سالانہ خراج ادا کرنے کا حکم دیا گیا۔ جب دیوان مولراج نے خراج کی رقم کم کرنے پر اِسرار کیا تو جھنگ کا علاقہ اُس سے لے لیا گیا اور وہاں پر دربار کے ایک وفادار کارندے کاہن سنگھ کو تعینات کر دیا گیا۔ ناراض ہو کر دیوان نے استعفیٰ دے دیا جو اصولی طور پر قبول کر لیا گیا مگر اُسے لارڈ ڈلہوزی کے حکم مطابق پنجاب کے ریذیڈنٹ سر ہنری لارنس نے ابھی کام جاری رکھنے پر اِصرار کیا تا آنکہ کوئی دوسرا بندوبست کیا جائے۔ دیوان نے اِس شرط پر بات مان لی کہ اُس کے استعفیٰ کی خبر نہ پھیلائی جائے ورنہ بطورِ دیوان اُس کا احترام اور اثر و رسوخ ختم ہو

جائے گا اور وہ خراج کی رقم ادا کرنے کے قابل بھی نہیں رہے گا۔ واپسی پر دیوان نے خود بھی کوشش کی کہ اُس کے استعفے کی کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو۔ کچھ عرصہ تو بات دبی رہی لیکن بنگال کے ریذیڈیٹ لارڈ ڈلہوذی کی نئی ریذیڈنسی ارینجمنٹ یعنی ایڈمنسٹریٹو بورڈ کے بنتے ہی لگتا ہے کچھ بورڈ ممبران بشمول ہنری لارنس کے چھوٹے بھائی جاہن لارنس اور چارلس مانسل نے دانستاً یہ خبر مشتہر کر دی کہ ''مولراج نے ملتان کی فرمانروائی سے استعفیٰ دے دیا ہے'' تا کہ مولراج کی حیثیت کو کمزور کر دیا جائے۔ پھر وہی ہوا جس کا کہ دیوان کو اندازہ تھا۔ اُس کی حیثیت ڈانواں ڈول ہو کر مزید کمزور پڑ گئی اور آس پاس کی ریاستوں کے نوابین، والیان، سردار، یہاں تک کہ عام لوگ بھی مولراج کی ملتان پر حکمرانی اور مستقبل بارے سوال اٹھانے لگے۔

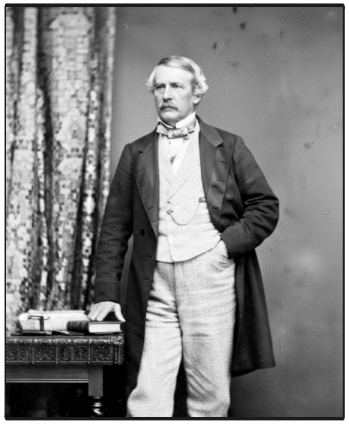

جاہن ایڈمیئر لارنس
(1811ء-1879ء)

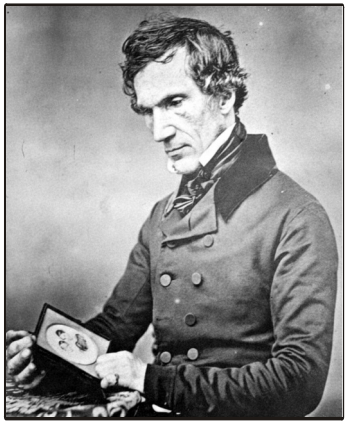

سر ہنری منٹگمری لارنس
(1806ء-1857ء)

گویا ابھی یہ خبر افواہ اور حقیقت کے پھائے پر تھی کہ 19 اپریل 1848ء کو ایسٹ انڈیا کمپنی کی خالصہ دربار سے افہام و تفہیم کے مطابق کاہن سنگھ، پیٹرک وانس اگینو اور ولیم اینڈرسن کے ساتھ ملتان شہر کی چابیاں لینے قلعہ کی دہلیز پر آ پہنچا۔ وانس اگینو بنگال سول سروس

میں تعینات رہا تھا اور کچھ عرصہ کمشنر کا اسسٹنٹ رہ کر جارج براڈفُٹ کا معاونِ کار بن گیا تھا اور ملتان آنے سے پہلے وہ سبراؤن کی جنگ میں بھی شمولیت کر چکا تھا۔ جبکہ ولیم اینڈرسن پہلے یورپین رجمنٹ کا حصہ تھا۔ اُن دونوں کے پاس ریذیڈنٹ لاہور سر ہنری لارنس اور پنجاب کے ''کٹھ پتلی'' فرمانروا دلیپ سنگھ کا رُقعہ بھی تھا اور اُس کی معیت میں چار سَو دربار کے سپاہی، ایک پیادہ گورکھا رجمنٹ، سات سو گھڑ سوار، چھ توپیں اور ایک صد توپچی بھی تھے۔ کیونکہ درپردہ مُولراج نے اپنی ہی مرضی سے استعفیٰ دیا ہوا تھا اِس لئے اُس نے آنے والے افسروں کو عزت اور احترام دینے کا حکم دیا۔ حسبِ روایت قلعے کی چابیاں بہاءالدین زکریا کے مزار پر رکھ دی گئیں اور قلعے میں علامتی طور پر ایک گورکھا رجمنٹ بھی تعینات کر دی گئی تھی۔ اب صرف رسمی کارروائی باقی تھی جو آنے والے دن قرار پائی۔

اگلے دن یہ طائفہ عسکری آب وتاب کے ساتھ باقاعدہ قلعے کا چارج سنبھالنے کے لیے آیا اور اُنہوں نے ریذیڈنٹ لاہور اور دلیپ سنگھ کا معطّی نامہ مُولراج کے سامنے دَھر دیا۔ مولراج نے اپنے حفاظتی دستے کو ''لیفٹیننٹ وانس اگنیو'' اور ''اور لیفٹیننٹ اینڈرسن'' کو مؤدبانہ سلامی دینے کو کہا تو خلافِ توقع کچھ اور دیکھنے کو ملا۔ سلامی کا حکم سنتے ہی اُس کے حفاظتی دستے میں سے ایک سپاہی طیش میں آ کر آن کی آن میں وانس اگنیو پر جھپٹ پڑا اور برچھی کے پے در پے وار کر کے اُسے بے طرح زخمی کر دیا۔ کاہن سنگھ اور مُولراج کا سالا رَنگ رام، اگنیو کی مدد کرنے کے لئے آگے بڑھنا ہی چاہتے تھے کہ وہ دوسرے سپاہیوں کو بھی مشتعل ہوتا ہوا دیکھ کر ٹھٹھک گئے۔ مولراج کے ہاتھ پاؤں پھول گئے اور جب وہ خود ہی اِس واقعے کی اِطلاع دینے کے لیے عیدگاہ میں قیام پذیر انگریزوں کے کیمپ اور اُن کے باقی سپاہیوں کی طرف بڑھنے لگا تو وہ کیا دیکھتا ہے کہ اُس کے اپنے ہی دستے کے کئی اور سپاہی اُس کے سامنے دیوار بن گئے۔ صورتِ حال کی نزاکت اور اُس کے تحفظ کے پیشِ نظر یا پھر کسی سازش کے خیال کے زیرِ اثر

اُس کا دماغ چکرا گیا۔ وہ کچھ بھی سمجھنے سے قاصر تھا۔ لیکن پھر بھی جب اُس نے اور رَنگ رام نے سپاہیوں کی دیوار میں سے راستہ بنا کر جانے کی کوشش کی تو سپاہیوں نے اُن دونوں کے مرتبے کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اُن کو ایک زوردار جھٹکے سے پیچھے دھکیل دیا۔ مولراج اور رَنگ رام گرتے گرتے ہی سنبھلے۔ پھر کیا تھا، ہر طرف افراتفری اور ہلچل مچ گئی۔

رات کی رات میں انگریزوں کے خلاف اُمڈتی ہوئی شِدت کی لہر میں اِضافہ ہو گیا۔ ایسے جیسے سندھ اور چناب میں بیک وقت سیلاب آ گیا ہو۔ اگلے دن یعنی 20 اپریل 1848ء کی شام کو مشتعل سپاہیوں نے عیدگاہ کے در و دیوار کے اندر مشرقی جانب خیمہ زن انگریز سپاہیوں پر حملہ کر دیا۔ گُرکھا سپاہی سناٹے میں آ گئے۔ صورتِ حال یہاں تک کشیدہ ہو گئی کہ مشتعل سکھ سپاہیوں نے مداخلت کرنے والے گوڈر نہنگ سنگھ کو بھی بُری طرح زخمی کر دیا۔ پھر وہی گوڈر سنگھ زخموں سے چُور پیٹرک وانس اگنیو اور ولیم اینڈرسن کے کیمپ میں گیا اور جا کر پوچھا:

''تم ملتان میں کیوں اور کیا لینے کے لئے آئے ہو؟''

گورے نے کوئی جواب نہ دیا جس پر گوڈر سنگھ نے کرپان نکال کر کہا:

''سِکھ مت اختیار کر لو نہیں تو میں تمہارا سر قلم کر دوں گا!''

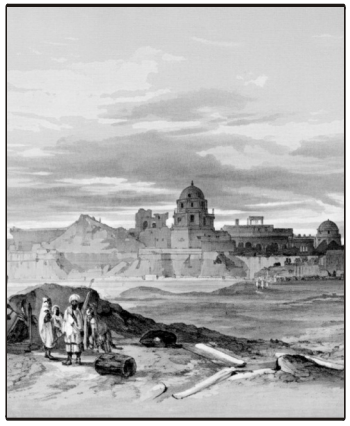

قلعہ ملتان کی شمال مشرقی سمت زکریا دربار
(خاکہ جاہن ڈنلاپ)

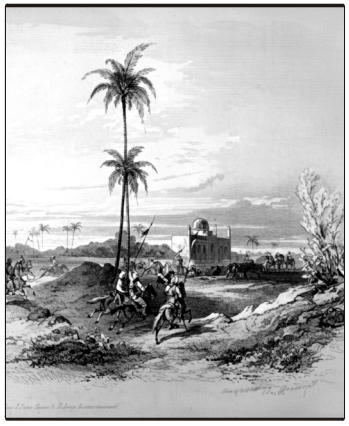

عیدگاہ
(خاکہ جاہن ڈنلاپ 1848ء)

''مَیں دلیپ سنگھ کا سیوادار ہوں، مجھے مار کر تمہیں کیا ملے گا۔'' وانس اگنیو نے سنبھل کر جواب دیا۔ مگر گوڈر سنگھ نے غصے میں آگ بگولا ہو کر ''ست سرِی اکال، بولے سو نہال'' کا نعرہ لگایا اور پہلے سے زخمی وانس اگنیو کو بالوں سے پکڑ کر سیدھا کھڑا کیا اور پھر تلوار کے ایک ہی وار سے اُس کا سَر تن سے جدا کر دِیا۔[2]

بغاوت کی آگ کی یہ پہلی چنگاری تھی۔ گوڈر سنگھ کا ایک پٹھان ساتھی آگے کو جھکا اور غصے کی آگ میں دہکتے ہوئے اُس نے اگنیو کے مردہ مگر تپیدہ شریر میں سنسناتی ہوئی گولی اُتار دی۔ گولی اُس کی چھاتی سے گزرتی ہوئی زمین میں دھنس گئی۔ ایک اور مقامی ساتھی نے اگنیو کا سر کاہن سنگھ کی جھولی میں فٹ بال کی طرح لڑھکاتے ہوئے کہا: ''یہ لو اَپنے لونڈے کو جس کو تم ملتان پر حکمرانی کرنے کے لئے لائے تھے۔''

سردار کاہن سنگھ حواس باختہ ہو کر دھاڑیں مار کر رونے لگا اور رو رو کر بے حال ہو گیا، اب یہ سپاہی زخمی اینڈرسن کی جانب بڑھے اور پل بھر میں تازہ آلُو کی طرح اُس کے بدن کے بھی ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے۔

اور پھر عید گاہ میں نصب انگریزی کیمپ کو بھی، جہاں پر مقتول اور ہمراہی ٹھہرے ہوئے تھے، تہس نہس کر ڈالا گیا۔ خالصہ دربار کی باقی فوجیں بشمول گُرکھا سپاہیوں کے، خوف کے مارے کیمپ چھوڑ کر لاہور کی طرف بھاگ کھڑی ہوئیں اور بہت سوں نے باغی سکھ سپاہیوں سے تال میل بنانے میں ہی عافیت جانی۔ کاہن سنگھ بے یار و مددگار رہ گیا اور تنہا رہ گیا اور اب اُس کی انگریز دوست معیّت میں اِکا دُکا سپاہی ہی باقی رہ گئے تھے۔ بے یقینی اور مُہیب مستقبل کا خوف اُسے کھائے جا رہا تھا۔ جہاں تک عید گاہ کا تعلق ہے، عین ممکن تھا کہ متداولِ زمانہ سے یہ عبادت گاہ اپنی اہمیت کھو دیتی مگر کمپنی بہادر کی توسیع پسندانہ جارحیت

2۔ قتل کے سے اگنیو کی عمر کوئی بتیس سال اور اینڈرسن کی عمر تقریباً تیس سال ہوگی۔

کے خلاف مزاحمت کے دوارن یہیں پر پیٹرک وانس اگنیو اور ولیم اینڈرسن کے قتل ہو جانے کی وجہ سے یہ مسجد ایک بار پھر ہندوستانی عوام کی نظروں میں سیاسی اور تاریخی اہمیت اختیار کر گئی۔ بلکہ کمپنی بہادر کے ایلچیوں کو اس انداز میں قتل کرنا اور خاص طور پر جب بہت سے سیاسی معاملات پہلے سے طے ہوں، کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ اِسی لئے درج بالا قتل کی ڈرامائی خبر ہندوستان کے طول و عرض میں ایسے پھیل گئی جیسے کوئی گُرسنہ شیر صبح کاذب کے وقت آبادی میں آ نکلا ہو اور پھر یوں ہوا کہ ہندوستان کے شمال مغرب میں واقع شہرِ ملتان ایک بار پھر صفحۂ اول کے شہروں کی فہرست میں آن کھڑا ہوا اور ہندوستان سے باہر کچھ دوسرے سامراجی ملکوں مثلاً نیدرلینڈ، بیلجیئم اور فرانس وغیرہ میں بھی ہر طرف ملتان کی کہانی ''یہ کیا ہوا اور اب کیا ہوگا'' کا سوال لئے سرگرداں ہو گئی۔

اگلی شام کو آتشِ غیض و غضب کا لباس اوڑھے گوڈر سنگھ اور کئی اور باغی سپاہی جن میں ہندو، سرائیکی، پختون اور سِکھ سب شامل تھے، دیوان مُولراج کے پاس اُس کے محل میں گئے اور اُسے انگریزوں (یعنی کمپنی سرکار) اور خالصہ دربار کے خلاف جنگ کرنے کے لئے اپنا پیشوا بننے کی پیشکش کی۔ مُولراج تذبذب میں پڑ گیا۔ کئی ایک سوالات اور اُن کے غیر یقینی جوابات اُس کے ذہن میں گردش کرنے لگے۔ کچھ دیر سوچنے کے بعد اُس نے کہا:

''مجھے کچھ وقت دیجئے تا کہ میں اپنی ماں سے مشورہ کر سکوں۔'' رات کو جب اُس نے اپنی ماں سے صورتِ حال کہی تو اُس کی ماں نے ایک تاریخ ساز جواب دیا:

''تمہارے باپ دیوان سانول مَل نے اپنی تمام جمع پونجی اور محنت اِس قلعہ کی مرمتی اور مضبوطی پر صرف کر دی، کیا خبر تھی کہ یہ دن بھی دیکھنے ہوں گے یعنی تم اِس آسانی سے قلعہ کی چابیاں اجنبی گوروں اور اُن کے گماشتوں کے سپرد کر دو گے؟۔''

دوسرے معنوں میں کمزور ہمت اور متزلزل ارادہ مُولراج کے پاس اب کوئی راستہ

باقی نہیں بچا تھا اور وہ چار و ناچار ملتان سے اُٹھنے والی غیر منظّم بغاوت کا سالار بن گیا۔ کسی حکمتِ عملی کے تحت اُس نے گوڈر سنگھ کو بغاوت کا آغاز کنندہ قرار دے کر انعام و اکرام سے نوازا اور اُسے جرأت مندی کی علامت کے طور پر مقتول ''وانس اگنیو'' کا ولائتی پستول اور اعلیٰ نسل کا گھوڑا بھی تحفتاً عطا کر دیا۔ گوڈر سنگھ نے گھوڑے پر سواری کی، اِدھر اُدھر دو چار چکر لگائے اور پھر ''وانس اگنیو اور اینڈرسن'' کی نعشوں پر بارود چھڑک کر فخر و انبساط سے آگ لگا دی۔ یہ دیکھ کر مقامی سکھ سپاہیوں نے ہمت پکڑی اور انگریز سرکار کے حامی کئی اور انگریز اور انگریز دوست سروں کو زمین پر لڑھکا دیا، لاشوں کو بے عزت کیا اور اونچی آواز میں بولنے لگے:

''یہ تھے وہ ہرکارے جو اپنے طور پر ملتان پر حکمرانی کرنے آئے تھے۔''

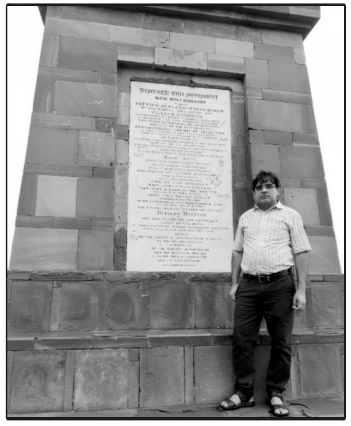

وانس اگنیو اور ولیم اینڈرسن کا مقبرہ بر قلعۂ ملتان اور مصنف

شام کو ملتان میں فتح و نصرت کے ترانے گائے گئے، چراغاں کیا گیا اور گوڈر سنگھ گھوڑے پر سواری کرتے ہوئے یہاں وہاں آتا جاتا دکھائی دیا، راستے میں اُس کو اتفاق سے انگریز سرکار کا ایک ریونیو کلرک نظر آیا اور وہ اُسے مخاطب ہو کر بولا:

''اوئے منشی! مَیں تمہارے سارے گورے ملتان سے لے کر کلکتے تک اِسی طرح ایک ایک کر کے ٹھکانے لگا دوں گا۔''

اب بغاوت کی آگ بھڑک چکی تھی۔ حوصلہ پا کر آس پاس کے رضا کار، مجاہدین اور سپاہیانِ ملتان جوق در جوق اُبھرتی ہوئی باغی سپاہ میں شمولیت اختیار کرنے لگے ہر چند کہ علامتی سپہ سالاریت دیوان مولراج ہی کو سونپی گئی تھی مگر تھوڑے ہی عرصے میں راوی، چناب اور سندھ کے دوآبے پٹھان، بلوچ اور سرائیکی سپاہیوں سے اَٹ گئے اور انگریزوں کے خلاف مضبوط محاذ تیار ہونے لگا۔

مولراج کو اب اندازہ ہو چکا تھا کہ وہ ایک ایسے شیر کی سواری کر رہا ہے جس پر سے اگر وہ اُترے گا تو وہی شیر اُسے بھنبوڑ کر کھا جائے گا۔

دوسری طرف انگریز جرنیل، لاہور دربار اور بمبئی ریذیڈنسی ابھی مکمل طور پر تعیّن نہیں کر پا رہے تھے کہ کیا یہ بغاوت ناگہانی تھی یا طے شدہ؟ اور یہ کہ مولراج بھی اِس سازش کا حصہ ہے یا اپنی مرضی کے خلاف ستم ظریفیءِ حالات کے تحت ہی اِس بغاوت کا سرکردہ راہنما بن چکا ہے۔ پہلے تو وہ کمپنی بہادر کے ملتان پر قبضے کے لئے فوراً ایک بڑی فوج بھیجنے کا اِرادہ رکھتے تھے مگر پھر اگنیو اور اینڈرسن کا لرزہ خیز انجام دیکھ کر ٹھہر گئے اور کچھ وقت لیا تا کہ اس نیم منظّم بغاوت کے اُمڈتے ہوئے دریا کی موجوں اور بہاؤ کا رُخ دیکھ سکیں۔ وہ یہ بھی جاننا چاہتے تھے کہ اس نوخیز ردِعمل میں کتنا دَم خَم ہے۔ کچھ ملتان کے عنقریب شروع ہونے والے شدید گرم موسم نے بھی انہیں توقف کرنے پر مجبور کیا۔ مگر ساتھ ہی اُن کا یہ بھی ارادہ تھا کہ وہ ''نام نہاد'' مہاراجہ دلیپ سنگھ، خالصہ اور رنجنسی پر بغاوت کا الزام لگا کر تینوں کو ایک ساتھ دیوار سے لگا دیں گے۔ نہایت ہوشیاری سے اُنہوں نے لاہور دربار کو یہ بھی باور کروا لیا کہ بغاوت دراصل خالصہ دربار کے خلاف ہی ہے انگریزوں کے خلاف نہیں، اِس لئے

دربار کی افواج ہی بغاوت کچلنے کے لئے جانی چاہئیں۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ اُس وقت انگریز افواج کو دربار ہی کی طرف سے تنخواہیں ادا کی جارہی تھیں۔ ہر چند کہ رنجیت سنگھ کی وفات کے بعد لاہور دربار طوائف الملوکیت اور عسکری عمل دخل کا شکار تھا (۱۶) لیکن خالصہ سرکار بحث مباحثہ اور مشاورت کے بعد اِس نتیجے پر پہنچی کہ انگریز کی مدد اور جدید اسلحے کے بغیر ملتان کی منہ زور بغاوت کو زیر کرنا ممکن نہ ہوگا۔ اُدھر برطانیہ میں صرف چار مہینے پہلے ہی لارڈ وسکاونٹ ہارڈنگز کی جگہ لارڈ اینڈریو رمسے ڈلہوذی[3] کو گورنر جنرل ہند مقرر کیا گیا تھا جو کہ ایک خودسر، سرپھرا، لا اُبالی اور سفاک نوجوان تھا۔ اپنی تعیناتی کے فوراً بعد اُس نے یونین جیک (متحدہ برطانیہ کا جھنڈا) ہوا میں لہراتے ہی عہد کیا تھا کہ وہ تاجِ برطانیہ کی سرحدوں میں، جہاں تک بھی اور جیسے بھی ممکن ہوا، مزید اضافہ کرے گا اور برطانیہ کے زیرِ تسلط تمام علاقوں سے زیادہ سے زیادہ محصولات وصول کر کے اپنی سلطنت کی دَھن دولت میں دن دُگنا اور رات چَوگُنا اضافہ کرے گا۔ ملتان کی بغاوت کا سنتے ہی اُس نے سوچا کہ ''یہ اُس کی سفاکانہ جارحیت اور وسعت پسندی کا عزم آزمانے اور محصولات میں اضافہ کرنے کا بہترین موقع ہے۔'' یہ بھی کہا جاتا ہے کی اُسی کی سخت گیر اور توسیع پسندانہ پالیسیوں کے نتیجے میں ہی دس سال کی اندر اندر یعنی 1857ء میں ہندوستان میں بغاوت کی آگ پھوٹ پڑی تھی۔

لارڈ ڈلہوزی کے اِنہی رجحانات سے واضح ہوتا ہے کہ اُنیسویں صدی کے آغاز سے ہی ایسٹ انڈیا کمپنی کو تاجِ برطانیہ کی حمایت حاصل تھی، کمپنی کی تجارتی مہم جوئی اور اصول وضوابط محض فریب تھے۔ کیونکہ کمپنی ہی کی مدد سے انگریز سرکار کے خزانے میں سالانہ لاکھوں پاونڈز جمع ہو رہے تھے۔

3۔ دورِ گورنری (۱۸۴۸ء تا ۱۸۵۶ء)

اُدھر خالصہ دربار کو اب یہ فکر لاحق تھی کہ شاید لاہور پر بھی اُن کا تسلط زیادہ عرصہ قائم نہیں رہ سکے گا۔ دلیپ سنگھ پہلے ہی کم عمر، کم عقل، ناتجربہ کار اور علامتی راجہ تھا۔ اُس کی تمام تعلیم وتربیت برطانیہ میں ہوئی تھی اور اُس کے تن پر لباس اور من میں نام کے علاوہ کوئی چیز مہاراجوں والی نہیں تھی۔ البتہ اُن کے خیال میں ''اگر ملتان کی بغاوت کنٹرول کر لی جائے تو ہوسکتا ہے کہ انگریزوں کے پاس رنجیت سنگھ کی سلطنت کو ہڑپ کرنے کا کوئی اور بہانہ باقی نہ رہ جائے۔ دوسری طرف اگر وہ ملتان کی بغاوت کی حمایت کرتے ہیں تو وہ ایک طرح سے کمپنی بہادر کے خلاف اعلانِ جنگ کے مرتکب ہوں گے جس کے جیتنے کے امکانات بہت ہی کم تھے۔''

اِن حالات میں لاہور دربار کے وزیر ومشیر حیلے بہانوں سے وقت گزاری کرنے لگے۔ یہ دیکھنے کے لیے کہ صورتِ حال کون سا رُخ اختیار کرتی ہے اور اُنہیں درست فیصلہ کرنے کے لیے کچھ اور وقت مل جائے۔

اَگنیو اور اینڈرسن کے ٹھکانے لگ جانے کے بعد اور سپاہیوں کی ہمت افزائی اور مرتے دم تک عہد نبھانے کے وعدوں قسموں نے مولراج کی قوت اِرادی میں اضافہ کیا لہٰذا حصار بند قلعہ کی اِستقامت اور وفادار سپاہیوں کے عزم پر بھروسہ کرتے ہوئے اس نے کھلم کُھلا دشمن کے خلاف محاذ آرائی کا آغاز کر دیا۔ یہاں تک کہ اُس نے اپنے سپاہیوں کے ایماء پر لاہور کے نام نہاد اور واجبی مہاراجہ دَلیپ سنگھ کی ملتان پر فرمانروائی کا طَوق بھی اپنے گلے سے اُتار پھینکا اور خم ٹھونک کر ملتان پر اپنی وسعت پسندانہ قبضہ گری کا خواب دیکھنے والی کمپنی کی سپاہ کے خلاف تن من اور دھن کی بازی لگا کر صف آراء ہوگیا۔ مگر اُسے یقین تھا کہ کمپنی بہادر اگنیو اور اینڈرسن کا انتقام لینے اور خالصہ دربار ملتان کی راجدھانی واپس لینے کے لیے بہت جلد فوج کشی کرے گی۔ اُس نے شب وروز قلعہ کُہنہ ملتان اور فصیلِ شہر کو ضروری و

اضافی تعمیر و ترمیم کے ذریعے مزید مضبوط کرنا شروع کر دیا۔ روایات کے مطابق قلعے کے اندر رہنے والے بہت لوگوں نے اپنے گھروں سے بھی جس قدر خشت و سنگ اور چوب و آہن ممکن تھا فراہم کیا تا کہ قلعے کو زیادہ سے زیادہ مضبوط اور محفوظ بنایا جا سکے۔ قلعہ کے اندر بہت سے اَسلحے اور گولا بارود کا سامان کیا۔ رفتہ رفتہ اپنے محاصل، وسائل اور فوج میں بھی اضافہ کر لیا۔ نہ صرف یہ، بلکہ قلعہ کے اندر بھی ممکنہ حد تک کچھ مزید لوگ آباد کرنا شروع کر دیے اور سب سے بڑھ کر قلعہ کے گوداموں میں اشیائے خورونوش، مال مویشی اور اجناس کا ذخیرہ بڑھانا شروع کر دیا اور پھر اپنے تازہ خون سے لبریز سرگرم جوانوں کو قلعہ کے اندر مجتمع کر کے حملے اور مزاحمت کی مشقوں پر لگا دیا۔

مجموعی طور پر کم و بیش تمام حالات مُولراج اور مزاحمت کارانِ ملتان کے (جس میں مقامی سکھ، پٹھان اور سرائیکی جوان شامل تھے) حق میں انتہائی موافق اور حسبِ مسابقت محسوس ہو رہے تھے۔ اُس کے سامنے ایک کُھلا میدان تھا اور صورتِ حال نہایت واضح۔ وہ بڑی آسانی سے اپنی پیش قدمی، حملہ آوری اور متوقع فتح کے لیے نشاندہی اور منصوبہ سازی کر سکتا تھا۔ قلعہ ملتان اور اُس کے دفاع کاروں کی طاقت کا اندازہ کرتے ہوئے کمپنی بہادر بھی اُن کے مقابل اپنی مستعد اور تربیت یافتہ فوج بھیجنے میں بہت چوکنا اور محتاط تھی اور وہ بھی جون جولائی کی چلچلاتی گرمیوں میں، کیونکہ اِس موسم میں کمپنی کی افواج کے لئے ملتانی تپش اور لُو کو گوارا کرنا اور اپنی جارحیت یا دِفاع کو طُول دینا انتہائی کٹھن ہو سکتا تھا۔ وہ اپنے نوآبادیاتی حرب و ضرب کے تجربے، منصوبہ ساز ذہانت اور سیاسی چابکدستی کو اِستعمال میں لاتے ہوئے ایک سے زیادہ زاویوں سے یُدھ کی منصوبہ سازی کر رہے تھے۔

اتفاق سے ایک اور مشن کے تحت لیفٹیننٹ ایڈورڈز پہلے ہی ملتان کے شمال مغربی محاذ یعنی بنوں، ڈیرہ اسمٰعیل خان اور ڈیرہ فتح خان کے میدانوں میں موجود تھا اور ایک غیر معمولی طاقت کی حامل افغان فوج کا سامنا کرنے اور کمپنی کے افغان جغرافیے کی طرف کٹاؤ

کرنے کے سلسلے میں نقشہ گری اور ریشہ دوانیوں میں مصروف تھا۔ ملتان میں بغاوت پھوٹنے کے وقت وہ ڈیرہ فتح خان کے نزدیک دریائے سندھ کے مغربی کنارے ڈیرہ جات کے علاقوں میں ایک جگہ سے دوسری جگہ خیمہ زن ہو رہا تھا۔ دو غیر رسمی دستے اور مشترکہ سِکھ افواج سے بغاوت کر کے ٹوٹنے والا ایک فوجی دستہ بھی اُس کے ہمراہ تھا۔ اَپریل ہی کے مہینے میں وہ دریائے سندھ عبور کر کے مشرقی کنارے پر واقع لیہ شہر میں داخل ہوا جو اُس وقت لگ بھگ دس بارہ ہزار آبادی پر مشتمل کمپنی کی سول ایڈمنسٹریشن کے تحت ایک دیہی و زرعی تحصیل تھا جس میں زیادہ تر میرانی، لغاری، مزاری، دریشک اور گورچانی بلوچ قبائل آباد تھے۔ وہاں اُس نے اپنے ہرکاروں کے ذریعے دھونس دھمکی سے غریب کسانوں، مویشی بانوں، ہُنر مند افراد، مقامی تاجروں اور دکانداروں سے زیادہ سے زیادہ محاصل اِکھٹے کرنے شروع کر دیے۔

لیفٹیننٹ ایڈورڈز اور اُس کا فوجی دستہ لیہ شہر کے نواح اور دریائے سندھ کے مشرقی کنارے پر خیمہ زن تھا کہ رات کے پچھلے پہر ملتان کے دَس ہزار چاک و چوبند لشکریوں اور دَس توپچیوں نے اُن پر دھاوا بول دیا۔ نڈر سپاہ کی دہشت اور دبدبے سے گھبرا کر ایڈورڈز اور اُس کے سپاہی پسپائی اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے۔ 4 مئی 1848ء کو شکست خوردہ اور مُضمحل ایڈورڈز اور اُس کے حواری اپنی کشتیوں پر سوار ہو کر واپسی ڈیرہ جات کی طرف دریا عبور کر گئے۔ اگلے دِن مولتان کے فوجی دستے فاتحانہ انداز میں لیہ شہر داخل ہو گئے اور ایڈورڈز کی لٹیرا افواج کو مار بھگانے کی خوشی میں توپوں کے کئی ایک گولے ہوا میں داغے۔ مگر یہ معرکہ نہ ہی آخری تھا، نہ ہی فیصلہ کُن۔ ایڈورڈز اور اُس کے دستے کو حتمی شکست نہیں ہوئی تھی۔ فاصلے پر ہونے کی وجہ سے اُن کا کوئی زیادہ جانی نقصان بھی نہیں ہوا تھا۔ مغربی کنارے پر لنگر انداز ہوتے ہی انہوں نے مزید محنت اور مزید تیاری شروع کر دی۔

دریا عبور کرنے کے بعد لیفٹیننٹ ایڈورڈز نے تحصیل تونسہ کے ایک گاؤں منگروٹھا پر قبضہ کرلیا جس کا سربراہ چیتن مَل تھا۔ وہاں جا کر اُس نے انگریزوں کی مستقل سازش کے تحت سِکھ مسلم مذہبی تعصب کو ہوا دی اور بہت سے مقامی لوگوں کو اپنے ساتھ ملانے میں کامیاب ہوگیا۔ اِنہی جتھوں کو ساتھ لے کر اس نے 20 مئی کو گھیرا ڈال کر ڈیرہ غازیخان پر قبضہ کرلیا۔ ڈیرہ غازیخان اُس وقت تقریباً بیس ہزار کی آبادی کا ایک قصبہ تھا جس میں کھوسہ، لُنڈ، بزدار، بتکانی، قیصرانی اور لغاری قبائل آباد تھے۔ چیتن مَل دوڑ کر ڈیرہ غازیخان آیا ہی تھا کہ یہیں وہ ایڈورڈز کے سپاہیوں سے ایک غیر متوقع مڈبھیڑ میں مارا گیا۔ ایڈورڈز نے مزید آگے بڑھ کر ہڑند کے قلعے پر بھی قبضہ کرلیا اور پھر دریائے سندھ پار کر کے دَکھن کی طرف سے دوبارہ ملتان روانہ ہوا۔ مُولراج خان گڑھ کی چوکی پہلے ہی چھوڑ چکا تھا۔ لیکن 18 جون 1848ء کو مُولراج اور اُس کے سپاہیوں کا لیفٹیننٹ ''ایڈورڈ لیک'' کی سربراہی میں آنے والے بہاولپوری دستے سے ٹاکرا ہوگیا۔ لیفٹیننٹ لیک، ہربرٹ ایڈورڈز اور ولیم اینڈرسن کے ترتیب دیے گئے دستوں میں سے ایک کی سربراہی کرنے والا جونیئر آفیسر تھا۔ اِن سب کا مقصد ملتان کی بغاوت کو ابتدا میں ہی کچل دینا تھا۔

''لیفٹیننٹ ایڈورڈز''، سِکھ سروسز پر مبعوث کرنل وَین کارٹلینڈ کو، جو اُس وقت ضلع بنوں (موجودہ خیبر پختونخواہ) میں موجود تھا، لیہ سے پسپائی اختیار کرنے کے بعد پہلے ہی اپنی مدد کے لیے چٹھی لکھ چکا تھا۔ کرنل کارٹلینڈ 1832ء سے 1839ء یعنی رنجیت سنگھ کی موت تک اُس کے نجیری دستوں کو کمانڈ کرتا رہا تھا اور جمرود کی جنگ اور کشمیر میں وزیر لال سنگھ کی بغاوت کچلنے میں شریک رہا تھا۔ لیکن 1845ء میں اُس نے انگریز فوج میں شمولیت اختیار کرلی تھی۔ پہلی اینگلو سِکھ جنگ میں وہ فیروز پور میں پولیٹیکل ایجنٹ تھا اور بعد میں ڈیرہ اِسمٰعیل خان میں گورنر بنا دیا گیا تھا۔ اِس وقت وہ خالصہ سرکار کی دور جمنٹس کو لیڈ کر رہا تھا اور

اُس کا مقصد ایڈورڈز کے دستوں کو تقویت اور بوقتِ ضرورت آرٹلری فراہم کرنا تھا۔ (۱۷)

چونکہ ایڈورڈز اُسے ملتان میں ابھرنے والی بغاوت سے آگاہ کر کے پہلے ہی تعاون کا تقاضا کر چکا تھا لیکن اُسے معلوم نہیں تھا کہ کارٹلینڈ اس وقت کس حالت میں ہے اور کہاں ہے؟ اور آیا وہ اُس کی مدد کو پہنچ پائے گا یا نہیں! 4 مئی کی ایک مایوس کُن رات کو کرنل کارٹلینڈ کی متوقع آمد کو خیال میں لاتے ہوئے اُس نے بطورِ سگنل فضا میں دو گولیاں فائر کیں۔ جواب میں کرنل کارٹلینڈ نے بھی دو گولیاں ہوا میں شُوٹ کیں کیونکہ وہ ڈیرہ اسماعیل خان سے اپنی کشتیاں دریائے سندھ میں ڈال چکا تھا۔ جوابی فائرنگ سن کر لیفٹیننٹ ایڈورڈز کی جان میں جان آئی اور وہ ایک بار پھر ملتان پر یلغار کرنے اور اپنی پسپائی کا بدلہ چکانے کے خواب دیکھنے لگا۔

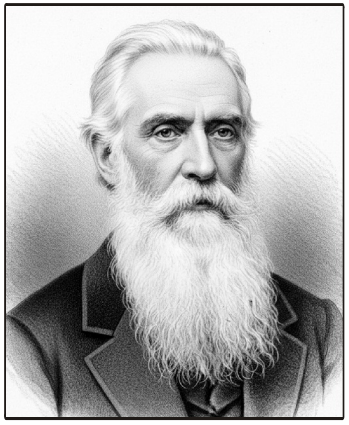

ہنری چارلس کارٹلینڈ (1814-1888)

اَگلے روز صبح سویرے کرنل کارٹلینڈ ایک پیادہ رجمنٹ، کچھ گھوڑوں اور چار ٹھیک ٹھیک نشانہ باندھنے والی بندوقوں کے ساتھ جنوب مشرق کی طرف رواں دواں ہوا۔ ایک آدھ روز میں وہ تونسہ شریف کے پہلو سے گزرتی ہوئی سنگھڑ رُود کوہی کے قریب آن پہنچا، جہاں برطانوی فوج کی چھ اور تربیت یافتہ یونٹوں نے اُس کے مختصر دستے میں شمولیت اختیار

کر لی اور اب چوکنا ہو کر لیفٹیننٹ ایڈورڈز مولراج اور اُس کی جرات مند سپاہ کی نقل و حرکت پر مسلسل نظر رکھے ہوئے تھا اور اُس نے ملتانی لشکر کے دریا پار کرنے کے راستے کو بھی مسدود کیے رکھا۔ دوسری جانب مولراج اور اُس کے کچھ سپاہی اور کارندے بھی غافل نہیں تھے اور چوری چھپے لیفٹیننٹ ایڈورڈز اور لیفٹیننٹ کارٹلینڈ کی نقل و حرکت پر نظر رکھے ہوئے تھے اور جنوب کی طرف اُن کی پیش قدمی کا مسلسل مشاہدہ کر رہے تھے اور اُن کی ممکنہ طاقت کا تخمینہ بھی لگاتے رہے تھے۔ ساتھ ہی ساتھ دریا پار وہاں وہاں جہاں پر کارٹلینڈ ٹھہرا تھا، عین مخالف مقامات پر اپنے ڈیرے ڈالتے رہے تا کہ موقع ملتے ہی، اِس سے پہلے کہ اُن کو ملتان پر حملہ کرنے کی مزید تقویت ملے، وہ کارٹلینڈ اور اُس کی امدادی فوج کا قلع قمع کر دیں۔ مگر افسوس ایسا نہ ہو سکا، گوروں کی منظّم اور محفوظ نقل و حرکت نے اُن کو یہ موقع ہی نہیں دیا ورنہ ملتان کی تاریخ میں ایک اور روشن باب کا اضافہ ہو جاتا۔

راستے میں ایک دن آرام کے بعد، اگلے روز کرنل کارٹلینڈ دوبارہ عازمِ سفر ہوا۔ سپہ سالار مُولراج کے محتاط مخبر وقتاً فوقتاً اُس کی سمت، رفتار اور قوت کا جائزہ لیتے رہے۔ اِسی انداز میں ایک دِن آرام اور ایک دن سفر کرتے ہوئے کرنل کارٹلینڈ اور اُس کا مددگار دستہ آگے بڑھتے رہے۔ جبکہ مُولراج کے کچھ سپاہیوں اور کارندوں نے بھی دریا کی مخالف سمت میں لیفٹیننٹ کارٹلینڈ کے کیمپوں کے عین مخالف اپنا پڑاؤ ڈال لیا تھا اور جہاں جہاں ممکن ہوا، راستے میں اور پڑاؤ کے مقامات پر، اُنہوں نے کارٹلینڈ اور اُس کے بڑھتے ہوئے دستے کے لئے بساط بھر مشکلات پیدا کیں لیکن پھر بھی وہ (کارٹلینڈ اور اُس کے سپاہی) کبھی خشکی اور کبھی دریا کے راستے تمام رکاوٹوں اور مشکلات سے بچتے بچاتے ڈیرہ غازیخان پہنچ ہی گئے اور باغی سپاہی اُن کے دستوں کو کوئی قابلِ ذکر نقصان نہ پہنچا سکے۔

اِسی دوران مُولراج اور اُس کی سپاہ کے لئے ایک اور خطرناک کام ہوا، وہ یہ کہ

ریاست بہاولپور کے نواب نے، جسے لارڈ ڈلہوزی یعنی دہلی کی طرف سے ایڈورڈز اور کارٹلینڈ کو کُمک ارسال کرنے کی درخواست کی گئی تھی، دس ہزار آدمی گوروں کی مدد کے لئے ملتان روانہ کیے۔ جن میں سے دو ہزار نے اُچ شریف (اس وقت کے اجودھن) کے نزدیک پنجند کراس کر کے مولراج کے مَیمنہ دستوں کے لئے جنگی حکمتِ عملی اور اپنوں کے خلاف وار کرنے کا ایک اور سوال کھڑا کر دیا۔ آٹھ ہزار آدمیوں نے دریائے ستلج عبور کر کے ملتان شہر کی جانب رُخ کیا۔ اب مُولراج کی مقامی سپاہ کے لئے ملتان کا تحفظ مزید چیلنجنگ بن گیا۔ کچھ سوچ کر اُس نے بغیر کسی تاخیر کے اپنی افواج کو واپس بُلا لیا جو کہ اب بڑی حد تک دریائے چناب اور نواب بہاولپور کے بھیجے گئے سپاہیوں کے درمیان پھنس چکی تھیں۔ (۱۸) وہ مصلحت تھی یا مجبوری یا پھر ایسٹ انڈیا کمپنی کی کامیاب بازی گری کہ نواب بہاولپور کی طرح کئی نواب، ملاء، جاگیردار اور گورنر ملتان پر محاصرہ آرائی کے دوارن دامے، درمے، قدمے، سخُنے، انگریز بہادر کے ساتھ تھے جن میں کشمیر کا گورنر عمادالدین، فتح محمد خان اور پیر سرور شاہ وغیرہ بھی شامل تھے۔ اُن میں سے اکثر کا خیال تھا کہ وہ اہلِ کتاب مسیحی ''بھائیوں'' کے ساتھ مل کر خالصہ سِکھ حکمرانی کے خلاف جہاد کر رہے ہیں لیکن بہت ایسے بھی تھے جو حکومت، جاگیر، مراعات اور سالانہ وظائف کے لیے گوروں کا ساتھ دے رہے تھے۔ (۱۹)

مُولراج کی افواج کے پیچھے ہٹتے ہی ایڈورڈز نے فی الفور اپنی اَفواج کو آگے بڑھنے کا حکم دیا اور اُنہیں چناب کی دوسری جانب ڈال دیا تا کہ نواب بہاولپور کے روانہ کردہ آدمیوں کا تعاون حاصل کیا جا سکے، کیونکہ وہ دونوں الگ الگ انتہائی کمزور تھے اور نواب کے کمزور اور غیر تربیت یافتہ آدمیوں پر تو کسی بھی وقت اچانک حملہ کر کے اُنہیں تِتر بِتر بلکہ نیست و نابود کیا جا سکتا تھا۔ اِس لئے اُن کو اپنی اِسکیم کے ماتحت کرنا بھی ضروری تھا۔

جون کی ایک شَر انگیز شام کو لیفٹیننٹ ایڈورڈز کم سے کم کشتیاں ہونے کے باوجود تقریباً تین ہزار ہدایت یافتہ فوجی اور کُچھ لحیم شحیم سَترہ گھوڑے دریائے چناب کے مشرق میں

ملتان کی جانب اتارنے میں کامیاب ہو گیا اور 18 جون کی صبح کو وہ خود دریائے چناب کے پار اُتر آیا۔ جبکہ طالع آزما کارٹلینڈ کئی ایک بڑی آرٹلری کو باری باری دریا پار بھیجنے کی خود ہی نگرانی کرتا رہا۔ ابھی خود اُس نے دریا عبور بھی نہیں کیا تھا کہ اُسے بہت زوردار فائرنگ، جوابی فائرنگ اور املاک ونواح کی بربادی کا شور سنائی دینے لگا۔ اُسے حیرت ہوئی کہ یہ کیا ہو رہا ہے مگر تھوڑی ہی دیر میں اُس کا شک یقین میں بدل گیا۔

معاملہ کچھ یوں تھا کہ اپنے سپہ سالار مولراج کی سرکردگی میں مورچہ بند بے تاب ملتانی مزاحمت کاروں نے موقع غنیمت جانتے ہوئے لیفٹیننٹ ایڈورڈز کے نیم مستعد اور تھکے ماندے دستوں پر تاک تاک کے نشانے باندھنا شروع کر دیے تھے۔ اَبھی تک برطانوی سامراج کی بھیجی گئی ایک بھی ہَیوی گن دریا پار نہیں اُتر سکی تھی اور قریب قریب پہنچنے کا اِمکان بھی نہیں تھا۔ کیونکہ ایسی تمام کشتیاں جن پر بھاری بھرکم توپیں یا دوسرا اَسلحہ لوڈ کیا جا سکتا تھا، ملتان کے معاملہ فہم سپاہیوں نے اپنے قبضے میں کر لی تھیں۔ اِس حملے میں ایڈورڈز کے سپاہیوں اور ساز وسامان کو بے پناہ نقصان پہنچا تھا۔

مگر دوسری جانب کارٹلینڈ اپنی طرف سے زیادہ سے زیادہ اسلحہ، کشتیاں اور بھاڑے پر لڑنے والے مقامی غداروں کو اکھٹا کرنے کی سرتوڑ کوشش کر رہا تھا اور بھرپور مشقت سے ہی وہ اچھی حالت والی کُچھ کشتیاں اور کُچھ اسلحہ لیفٹیننٹ ایڈورڈز کی مدد کے لئے روانہ کرنے میں کامیاب ہو گیا جو کہ دھیرے دھیرے اپنے آخری محاذ یعنی قلعہ ملتان کی طرف رواں دواں تھے۔ تھوڑا تھوڑا کر کے وہ اپنی قوت میں اضافہ کرتا رہا اور نہایت ہوشیاری سے اپنی ساری کی ساری کشتیاں بچا کر ڈیرہ غازیخان پہنچ گیا۔ ڈیرہ غازیخان، ڈیرہ جات کا سب سے بڑا شہر تھا۔ یہاں کرنل کارٹلینڈ نے اپنے دستے میں مزید فوجی سپاہی شامل کیے اور صرف پانچ سے چھ دن کے اندر اندر تقریباً نو ہزار سپاہیوں کا زرخرید دستہ تیار کر لیا۔

☆☆☆

تیسرا باب

سِندھ اور چناب کے دوآبوں میں گھات بازی

اور یہاں ملتان میں مُولراج اور اُس کے کماندار اِرد گرد سے پٹھان، بلوچ، سِکھ اور لوکل رضا کار سپاہی اکھٹے کرنے اور انہیں مختصر تربیت فراہم کرنے میں مصروف تھے اور اُن کی توجہ جس قدر ہو سکے اسلحہ بارود جمع کرنے پر بھی تھی۔ جبکہ مقامی آہن گر شب و روز دیسی ساختہ بندوقیں، خنجر اور تلواریں ڈھالنے میں جُتے ہوئے تھے۔ لوگ اپنے دروازوں کے تختے اور لوہے کے مختلف اوزار اور گھریلو اشیاء تک فراہم کر رہے تھے تا کہ انہیں پگھلا کر ہتھیار بنا سکیں۔ رسمی عسکریوں کے علاوہ اُن کے غیر رَسمی لشکروں میں بھی لگ بھگ دس ہزار سپاہی تھے جن میں تقریباً دو ہزار کے قریب گھڑ سوار، آٹھ ہزار پیادہ سپاہی اور دَس بڑی توپیں شامل تھیں۔

جنرل وان کارٹلینڈ کے احکامات کی تکمیل میں جنوب کی سمت سے بھیجے گئے نواب بہاولپور کے امدادی دستے میں نَو ہزار سپاہی، دوسو پچاس گھوڑے، کوئی نصف درجن اونٹ اور گیارہ توپیں شامل تھیں جسے پانچویں بہاولپور ہلکی اِنفینٹری ڈویژن کا نام دیا گیا تھا۔ مجموعی طور پر یہ نَو بٹالینز پر مشتمل تمنداروں کے بھیجے گئے بلوچوں اور جاٹوں کا نیم منظّم گروہ تھا۔ (۲۰) نواب بہاولپور کے خیال میں ملتان اور پنجاب کی ''سِکھا شاہی'' کو ایسٹ انڈیا کمپنی کی مدد کے بغیر شکست نہیں دی جا سکتی۔ اِس لئے کسی بھی محاذ پر اُن کے ساتھ تعاون ضروری تھا۔ 18 جون 1848ء کی صبح سات آٹھ بجے گنیری کے مقام پر ملتانی اور بہاولپوری دستوں کا غضبناک ٹاکرا توپوں کی گھن گرج سے شروع ہوا۔ ہر دو جانب کئی گھنٹوں تک گولا بارُود اور کراس فائرنگ کا مقابلہ جاری رہا، یہاں تک کہ نواب صاحب کے ارسال کردہ معاون

دستے نے نقصان اُٹھا کر پہلے فائرنگ کم کر دی اور پھر پسپائی اختیار کرنا شروع کر دی۔ جبکہ مُولراج اور ملتانی افواج نے مسلسل گولہ باری جاری رکھی اور دھیرے دھیرے آگے بڑھتی رہیں۔ صورتِ حال اپنے خلاف جاتے ہوئے دیکھ کر نا تجربہ کار بہاولپوری دستہ پیچھے اور پیچھے ہٹتا چلا گیا اور پس منظر میں کوئی محفوظ ٹھکانہ تلاش کر کے فائرنگ رینج سے اوجھل ہو گیا۔ لیکن پسپائی اختیار کرتے ہوئے بہاولپوری دستوں کا بھاری جانی اور مالی نقصان ہوا۔

جو لوگ زخموں کی تاب نہ لا کر جان کی بازی ہار چکے تھے اُن کے لاشے میدانِ جنگ میں سورج کی لرزہ خیز کرنوں میں جھلستے رہ گئے۔ پہلے ہلے میں ہی سبق سکھلا دینے والی شکست سے دوچار ہونے کے بعد یا پھر معاملے کی دوُرخی پیچیدگی کو سمجھتے ہوئے ''کہ اپنی دھرتی کا دفاع کرنے والوں کیخلاف محاذ آرائی مناسب نہیں'' یا تو نواب صاحب کے بھیجے ہوئے اِمدادی دستے عارضی طور پر واپس بلا لیے گئے یا پھر وہ ملتانی سپاہ کی بے جگری دیکھ کر خود ہی پیٹھ دِکھا گئے۔ لگتا ہے سارے فیکٹرز ہی کارگر تھے۔ قصہ کوتاہ یہ ثابت ہو چکا تھا کہ کسی فطین منصوبہ گری کے بغیر ملتانی سپاہ کا مقابلہ کرنا آسان نہ تھا۔

صورتِ حال ایسٹ انڈیا کمپنی کے چار چھ جرنیلوں، میجروں اور لیفٹیننٹوں کے ہاتھوں سے نکلتی جا رہی تھی۔ گوروں کا انتظار اور تشویش بڑھتی جا رہی تھی کیونکہ کرنل کارٹلینڈ اور اس کا امدادی دستہ ابھی تک نہیں پہنچا تھا۔ مزاحمت کاروں کی پیش رفت روکنے کے لئے چارو ناچار لیفٹیننٹ ایڈورڈز اب خود میدانِ کارزار میں اُتر پڑا۔ اپنی موجودگی اور مثال کے ذریعے وہ اپنی فوج کے حوصلے بلند کرنا چاہتا تھا۔ خلفشارِ حرب میں کُود کر وہ سب سے آگے جا کھڑا ہوا۔ جہاں تین ہزار سپاہی اور اَسی گھڑسوار پہلے سے ہی موجود تھے۔ اُس نے سپاہیوں کی بائیں جانب لمبی لمبی گھاس اور جھاڑ جھنکار میں چھپ کر فائر کرنے کے لیے پوزیشن سنبھال لی۔

اب صرف لیفٹیننٹ ایڈورڈز کی مٹھی بھر فوج ہی ملتان کی حوصلہ مند سپاہ کا سامنا کرنے کے لئے باقی رہ گئی تھی۔ اِن دونوں کے درمیان ابھی کوئی دوسری محاذ آرائی نہیں ہوئی تھی۔ ایڈورڈز، کارٹلینڈ کے تازہ دم سپاہیوں (بشمول کچھ مقامی غداروں)، نئی توپوں اور گھوڑوں کی آمد کا شدت سے منتظر تھا اور اُس کی کوشش یہی تھی کہ فتح اور شکست کے اِس دوراہے پر وہ ملتان کی پیش رَفت کو اُس وقت تک ایک خاص حد سے آگے نہ بڑھنے دے جب تک کارٹلینڈ کی عسکری کمک اُس تک پہنچ نہ جائے۔ تاہم صورتِ حال کو بھانپتے ہوئے جواں مرد ملتانی لشکریوں نے اپنی دھواں دھار پیش رفت جاری رکھی اور تمام تر توپوں کا رُخ اُس طرف موڑ دیا جہاں ایڈورڈز نے گھات لگائی ہوئی تھی۔ مولراج نے اپنی پیادہ فوج کو دُشمن کی طرف بڑھنے اور حملہ کرنے کا اِشارہ کیا اور بندوقچیوں نے فائر کھول دیے اور اُس کے گھڑسواروں نے دُشمن کے بائیں اور عقبی حصے کو گھیرے میں لے لیا۔ ذلت اور رسوائی سے بھرپور شکست ایڈورڈز اور اُس کے سپاہیوں کے سروں پر مَنڈلانے لگی۔ بس اب دُشمن کی تھوڑی سی پسپائی اور ذرا سے قدم اُکھڑنے کی دیر تھی کہ ملتانی فوج اُن کو نیست و نابود کر کے رکھ دیتی۔ کیونکہ بہاولپور کا اتحادی دستہ پہلے ہی میدان چھوڑ کر بھاگ چکا تھا جبکہ کارٹلینڈ کے نئے بھرتی شدہ آدمی اور اسلحہ ابھی تک راستے میں تھے۔ وہ کہاں رہ گئے تھے اور کب پہنچیں گے؟ کچھ معلوم نہیں تھا۔

ایسی صورتِ حال میں وان کارٹلینڈ کے عسکری اگر پہنچ بھی جاتے تو یا تو وہ اکیلے اکیلے یا پھر چھوٹے چھوٹے گروہوں کی شکل میں ایڈورڈز کی قریب المَرگ فوج کو جوائن کر سکتے تھے۔ مگر ایڈورڈز نے رہا سہا حوصلہ جمع کرتے ہوئے تہیہ کیا کہ وہ ہتھیار ڈالنے یا بھاگ کھڑا ہونے کی بجائے بہادرانِ ملتان کی مزاحمت کو کم از کم اِتنی دیر اور ضرور روکے رکھے گا جتنی دیر میں کارٹلینڈ کے ہمراہ مزید اسلحہ اور لڑاکا جوان پہنچ سکیں۔ اگلے روز تقریباً 8 بجے

اُس نے کارٹلینڈ کو ایک بار پھر خط لکھا اور کہا کہ:

''مَیں لگ بھگ شام تین بجے تک مزید مولتانیوں کی چڑھائی روکنے کی کوشش کروں گا، اگر اُس وقت تک نئی توپیں اور تازہ دم سپاہی نہ پہنچے تو توہین آمیز موت اور عبرت ناک شکست ہمارا مقدر بن جائیں گے۔ بعید نہیں کہ ہمارا انجام 'اگنیو اور اینڈرسن' سے بھی بدتر ہو۔''

اِسی اُمید کے سہارے ایڈورڈز نے اَپنی اُکھڑتی ہوئی سانسیں سنبھال کر مضبوط سے مضبوط اور بہتر سے بہتر پوزیشن اختیار کرنے کی اور زیادہ سے زیادہ وقت لینے کی کوشش جاری رکھی۔ ایک سوچی سمجھی ہوئی چال چلتے ہوئے اُس نے اپنے آدمیوں کو زمین پر اس طرح دراز ہو جانے اور کوئی بھی حرکت نہ کرنے کا حکم دیا کہ سپہ سالارِ ملتان اور اُس کے جانباز سپاہیوں کو اُن کی پوزیشن، توانائی اور تعداد کا ہرگز اندازہ نہ ہو سکے۔ وہ یہ چاہتا تھا کہ ملتانی سپاہی اُن کی موت یا پسپائی قیاس کر کے آگے بڑھیں اور وہ قریب سے اُن کا بھرکس نکال دیں۔ لیفٹیننٹ ایڈورڈز کو زمین کی ہمواری یا ناہمواری اور نرمی یا سختی کا قطعاً کوئی اندازہ نہیں تھا اور اُسے خدشہ تھا کہ ایسی جگہ پر اپنی مختصر آرٹلری اور گھڑ سواروں کو حرکت دینا مشکل بھی ہوگا اور پُرخطر بھی۔

اِس تمام صورتِ حال کے باوجود اُس کو فائدہ یہ حاصل ہوا کہ مولتانی فوج کو اُن کی درست تعداد اور مقام کا بالکل اندازہ نہیں ہو رہا تھا۔ اگر اُنہیں اندازہ ہوتا کہ دُشمن کی تعداد بہت کم اور حوصلہ اور اَسلحہ اِس سے بھی کم باقی رہ گئے ہیں تو شاید ایک اور زوردار ہلّے میں ہی وہ اُن کا کام تمام کر دیتے (اور آج ملتان کی نوآبادیاتی تاریخ مختلف ہوتی)۔ تاہم اُنہوں نے کچھ فاصلے تک محتاط پیش رفت ضرور کی۔ وہ آگے بڑھے مسکیٹوں (بارود بھری بڑی بندوقوں) سے کچھ راؤنڈز فائر کئے اور دشمن کی پوزیشن مزید کمزور کر دی۔ ایڈورڈز کے

آدمیوں نے بھی جوابی فائرنگ کی مگر ملتانی عسکریوں کی طرف سے سیدھی فائرنگ کے باوجود سنگ اَوصاف ایڈورڈز ٹس سے مَس نہ ہوا۔ مزاحمت کار گومگو میں تھے کہ ایڈورڈز زندہ ہے یا مر چکا ہے۔ مگر جوانوں نے مسلسل پیش رفت جاری رکھی جس سے گھبرا کر کچھ ہی دیر میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے دستوں کے پاؤں اُکھڑنے لگے اور پریشاں ذہن ایڈورڈز کو یقین ہونے لگا کہ اگر کارٹلینڈ کی اِمداد فوری طور پر نہ پہنچی تو وہ اور اُس کے مُٹھی بھر پیروکاروں کا صفایا ہو جائے گا۔ اُس کے اپنے الفاظ میں جو اُس نے کارٹلینڈ کو لکھے:

''میرے خیال میں میرے پاس زندہ رہنے کے لیے شاید دس منٹ سے زیادہ باقی نہیں ہیں۔''

جانثارانِ ملتان نے اب کم وبیش صورتِ حال بھانپ لی تھی اور اُنہیں اندازہ ہو چلا تھا کہ ایک زوردار ہلہ بول کر وہ دشمن کی اینٹ سے اینٹ بجا سکتے ہیں۔ ایڈورڈز موت و حیات کی جنونی کیفیت میں مبتلا تھا۔ بھیانک انجام کے تصوارت اُس کی نفسیات پر چھائے ہوئے تھے۔ اُسے یہ خوف کھائے جا رہا تھا کہ اگر فوری طور پر کُچھ نہ کیا گیا تو چند گھنٹوں میں اُنکا وہ حال ہوگا کہ لوگ اگنیو اور اینڈرسن کی بے حرمتی کو بھول جائیں گے۔ اُس نے ملتانی سپاہ کی بڑھتی ہوئی پیش رفت روکنے اور مزید وقت لینے کی ایک آخری سعی کی اور اپنی کمان میں موجود گھڑ سواروں کو آگے بڑھ کر فائر کرنے کا حکم دیا جس کے نتیجے میں ایڈورڈز کے بہت سے سپاہی اور کچھ ملتان کے دفاع کار بھی مارے گئے۔ اِس غیر متوقع جھڑپ اور اپنے نقصان کو دیکھ کر ملتانی جوانوں نے آگے بڑھنے کا ارادہ ترک کر دیا، مبادا اُن کے اندازے کے بَرخلاف ایڈورڈز کی کمان میں کوئی بڑی فوج چُھپی ہوئی ہو اور یہی ایڈورڈز کی کامیابی اور اُن کی سب سے بڑی غلطی تھی۔ چالباز ایڈورڈز کو جو وقت درکار تھا وہ اُسے مِل گیا اور بالآخر کارٹلینڈ کی معیت میں منتظرہ کُمک بھی پہنچ گئی (۲۱) اور یہ کمک جنگی تاریخ کی بہت سی اہم ''اگر مگر'' میں سے ایک تھی۔

پہلے ایک توپ، پھر دوسری اور پھر تیسری اور اِسی طرح ایک ایک کر کے تمام آرٹلری اور تازہ دم رجمنٹ (جس میں لوکل غدار، کرائے کے سپاہی اور لاہور سے بھیجے گئے انگریز اور خالصہ سپاہی سب شامل تھے)، کرنل کارٹلینڈ اور لیفٹیننٹ لیک کی کمان میں، لیفٹیننٹ ایڈورڈز کی مدد کو آن پہنچے۔ کُمک کی فراہمی سے ایڈورڈز کے گنتی کے دو چار انگریز افسران اور سینکڑوں غداروں پر مشتمل فوج میں اب کئی گُنا اضافہ ہو چکا تھا۔ مجموعی طور پر اُن کی بٹالین کی تعداد 'اٹھارہ ہزار' سے کچھ اوپر تک 'بشمول چار ہزار' سواروں کے جا پہنچی تھی جس میں کرنل کارٹلینڈ کے رسمی، لیفٹیننٹ ایڈورڈز کے غیر رسمی سپاہی جو اس نے دریائے سندھ کے مغربی کناروں سے جمع کئے تھے اور کچھ بہاولپوری سپاہی، جن کی قیادت کرنے کے لئے لیفٹیننٹ لیک کو جالندھر سے بھیجا گیا تھا، سب شامل تھے اور اَب ملا جلا کر لیفٹیننٹ ایڈورڈز کی قیادت میں سات ہزار بہاولپوری جوان، تقریباً چار ہزار خالصہ کے لشکری اور سات ہزار کے قریب زیادہ تر برطانوی اور کچھ دوسری یورپی افواج جمع ہو چکی تھیں۔ شامل کردہ مقامی جنگجوؤں میں سے کُچھ مذہبی نقطہءِ نظر یعنی سکھ مخالف جذبے کے تحت کمپنی بہادر کی ریگولر آرمی میں شامل ہوئے تھے اور کچھ ماہانہ تنخواہ کے عوض۔ اِس حقیقت سے بے خبر کہ یہ تنخواہیں بھی اُنہی سے یا اُن کے بھائی بندوں سے وصول شدہ محصولات سے ہی آ رہی تھیں۔ اب اندازاً، اکتیس توپیں، توپچیاں اور بندوقیں (اپنی اور مقبوضہ سب ملا کر) ایڈورڈز، کارٹلینڈ اور لیک کی دسترس میں تھیں اور پھر وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔

پہلے ایک توپچی نے فائر کھولا، پھر دوسرے اور پھر تیسرے نے اور اِسی طرح ایک ایک کر کے تمام توپچیوں نے ملتانی باغیوں کے مورچوں پر چھوٹے بڑے گولے داغنا شروع کر دیے۔ پَل بھر میں نَو وارد آرٹلری نے آگ اُگلنا شروع کر دی۔ اب ملتان کے تھکے ماندے سپاہیوں کا مقابلہ ہر برٹ ایڈورڈز کے تازہ دم دستوں سے تھا اور وہ ہزاروں

میں تھے۔ اُنہوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ یکمُشت چھ توپچیوں اور بیسیوں بندوقوں سے سرزمینِ ملتان کا سینہ گولا بارود سے چھلنی کرنا شروع کر دیا۔ چلچلاتے جون کی تپتی ہوئی زمین پر جیسے لاوا اُبل پڑا ہو۔ اپنے جواں خون عسکریوں کی آب و تاب دیکھتے ہوئے، اَب سے کُچھ دیر پہلے کے نیم مُردہ اور نا اُمید ایڈورڈز کے تن بدن میں پھر سے بجلیاں دوڑنے لگیں اور وہ میدان جنگ میں اِدھر سے اُدھر اپنے جوانوں کو ہدایات دیتا اور ہمت افزائی کرتا دکھائی دیا۔ عَین اُسی طرح مَیمنہ اور مَیسرہ پر اُس کے مقرر کردہ دستوں کے راہنما اُس کے احکامات کو آگے بڑھاتے رہے۔ یہاں تک کہ صورتِ حال اُن کے ہاتھ میں آنے لگی۔

ہر چند کہ لیفٹیننٹ ایڈورڈز کے پہلے سے سرگرم سپاہی تھک چکے تھے اور اُن کی سانسیں اُکھڑنے لگیں تھیں لیکن نیا جوش اور ولولہ دیکھ کر، افسرانِ بالا کی بلند آواز تائید میں وہ اندھا دُھند فائرنگ کئے جا رہے تھے کیونکہ اب نئے دستے، اضافی قیادت اور کافی ایندھن اُن کے پاس موجود تھا۔ ایڈورڈز نے رفتہ رفتہ اُنہیں آگے بڑھنے کا حکم دیا، کارٹلینڈ اور لیک نے میدانِ کارزار کا جائزہ لیتے ہوئے اُنہیں کامیابی کی نئی تدابیر بتائیں اور بڑھتی ہوئی یلغار کی تاب نہ لاتے ہوئے ملتان کی سپاہ تھوڑی سی پیچھے کو سرکی، ایڈورڈز اور کارٹلینڈ کے سپاہی کچھ اور آگے بڑھے اور کچھ مزید آگے اور پھر مزاحمت کار دستوں کے قریب جا کر اُنہوں نے تلواریں سونت لیں اور بندوقوں پر سنگینیں چڑھا لیں۔ گھڑسوار نہ ہونے کی وجہ سے وہ مزید آگے نہیں بڑھ سکتے تھے۔ بس یہیں پر ہی اُنہوں نے کشت و خون کا میلہ سجا دیا اور دیکھتے ہی دیکھتے جنگ کا نقشہ بدلنے لگا۔

صاف ظاہر ہے کہ کُمک اور دستوں کی تبدیلی کے بغیر دن بھر کی یلغار اور مزاحمت کے بعد اب ملتان کے سپاہی تھکن سے چُور نڈھال ہو چکے تھے اور وہ آہستہ آہستہ حوصلہ ہارنے اور قدم بہ قدم پیچھے ہٹنے لگے تھے۔ مگر ابھی فیصلہ کن مرحلہ نہیں پہنچا تھا اور مخالف

دھڑوں کے درمیان فائر ایکسچینج جاری تھا۔ کُچھ دیر مُعلق مقابلے کے بعد گھمسان کا رَن پڑا، دونوں اطراف میں کافی جانی و مالی نقصان ہوا جس کی تعداد اور دعوے تاریخ میں متنازعہ ہی رہے۔ البتہ خاک اور دھوئیں کی نابینا فضا میں ملتانی افواج کی تقریباً سات آٹھ توپیں دَھر لی گئیں اور درجنوں سپاہی رزقِ خاک ہوئے۔ ہر دو جانب بہت سا نقصان برداشت کرنے کے بعد کمپنی کے دستوں کی طرح سپاہِ ملتان بھی پیچھے ہٹی اور واپسی کا سفرِ حسرت شروع کر دیا، اِس دوران اُنہوں نے ایسٹ انڈیا کمپنی اور خالصہ اِتحادی افواج کے آگے کوئی اور ڈھال نہ رکھی۔ تاہم واپسی سے پہلے دونوں افواج نے اپنے اپنے جوانوں کی، جو اِس معرکے میں کام آئے تھے، اپنی اپنی رسومات کے مطابق تدفین کی، زخمیوں کو ساتھ لیا اور اگلے معرکے کی تمنا میں اپنے اپنے محاذ پر لَوٹ گئے۔ کسی حکمتِ عملی کے تحت لشکریانِ ملتان نے اپنی رفتار بڑھا دی اور شجاع آباد سے سکندر آباد ہوتے ہوئے سورج کُنڈ پہنچ گئے۔ لیکن اُنہیں ملتان کے قلعہ تک پہنچنا تھا تا کہ دفاعی مورچوں کی پناہ میں کچھ توقف اور تیاری کے بعد دفاعِ وطن کے لئے اپنے دست و بازو کو دوبارہ آزما سکیں۔

☆☆☆

چوتھا باب

سدُوسَام کے مقام پر معرکہ آرائی

یکم جولائی 1848ء کو کرنل وان کارٹلینڈ نے اپنے ٹروپس کو ٹبہ قیصرانی (موجودہ ٹبی قیصرانی، تونسہ) پر پڑاؤ ڈالنے کو کہا۔ وہیں پر اُسے زرخرید جاسوسوں نے اِطلاع دی کہ باغی سپاہی نہر پھلانگ کر اُن کا پیچھا کر رہے ہیں اور کسی بھی وقت اُن پر حملہ ہو سکتا ہے۔ کارٹلینڈ نے اپنے سپاہیوں کو فوری طور پر آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ اُن کو یہ بھی اندازہ تھا کہ 'لیفٹیننٹ لیک' داؤد پوتروں کے دستے کو لیڈ کرتے ہوئے راستے میں کسی ٹیلے پر خیمے لگائے بیٹھا ہے جبکہ ملتانی فوج بھی صرف آدھے میل کے فاصلے پر ٹبّوں، ٹیلوں اور گرد باد میدانوں میں چھپتی چھپاتی اُن کی ٹوہ میں تھی اور بالآخر دونوں کے درمیان مبارزہ آرائی ملتان سے چار میل شمال میں ایک گاؤں سدوسام[4] کے مقام پر ہوئی۔

سپاہِ ملتان جونہی لیک کے دستے کے قریب پہنچی، بڑی ہوشیاری سے آس پاس کے گاؤں میں پھیل گئی تا کہ لیک کی پیروکارنئی تیار شدہ بٹالین کو شب خون مار کر ٹھکانے لگایا جا سکے۔ اُنہوں نے گھات لگا کر نشانہ باندھا ہی تھا کہ لیک کے دستوں نے بھی فائر کھول دیا۔ کیونکہ مقامی مخبروں نے اُنہیں پہلے ہی چوکنا کر دیا تھا۔ اِس کے باوجود وہ اپنی متفرق پوزیشنوں سے ایسے جھپٹ پڑے جیسے عقابوں کی پلٹون چہار جانب سے لومڑیوں کے گروہ پر جھپٹ پڑی ہو۔ لیفٹیننٹ لیک کا دستہ ایک ایک کر کے بکھر ہی رہا تھا کہ ایڈورڈز اپنی بٹالین لیے ملتانی فوج کے عقب پر حملہ آور ہو گیا۔ عَین اُسی وقت کرنل کارٹلینڈ نے بھی دائیں جانب سے فائرنگ شروع کر دی۔ ہر چند کہ مزاحمت کار فوج کے نشانچیوں نے اُس

4۔ سدوسام: اصل نام سدوحسام ہے جو سدوسام کے نام سے مقبول ہے۔

کے ایک ذیلی دستے کا اِنجر پنجر کر ڈالا اور اُن کے بہت سے جوان بھی ضائع ہو گئے لیکن پھر بھی لیک اور اُس کا دستہ دائیں طرف سے ملتانی سپاہ پر دباؤ بڑھا رہے تھے تا کہ وہ سامنے والا گاؤں خالی کر دیں۔ باوجود اِس کے کہ سپاہِ ملتان تین اطراف سے گولا بارود کی زد میں تھی، گویا ''نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن'' لیکن جغرافیہ شناس اور دفاعِ وطن کے جذبے سے سرشار سپاہِ ملتان نے ہمت نہ ہاری اور اتحادی افواج کی یہ کوشش کامیاب نہ ہونے دی اور اُنہوں نے جہاں جہاں صف آرائی کی ہوئی تھی، وہ مقامات ہرگز ترک نہ کیے۔

عین اِسی وقت نواب بہاولپور کے، آٹھ ہزار کی تعداد میں، معاون دستے، جو ایک بار پہلے میدان چھوڑ کر بھاگ چکے تھے، دوبارہ فتح محمد خان کی راہنمائی میں لیفٹیننٹ ایڈورڈ لیک کو اپنی خدمات فراہم کرنے آن پہنچے اور ایک بار پھر اپنے ہی لوگوں کے لئے دردِ سر بن گئے (جو اپنے تئیں سکھ حکومت کے خلاف برسرِ پیکار تھے)۔ مگر دریں اثناء سپاہِ ملتان کے لئے نئی مشکلات کھڑی کرنے لگے تھے۔ بہر حال اُنہوں نے دشمن کی جعل سازیوں سے بے پرواہ، حسبِ سابق مسابقت جاری رکھی اور گولا بارود پھینکنے سے باز نہ آئے۔ اُن کی نہ تھمنے والی گولا باری سے دستے کے ایک سینئر انگریز افسر ''میکفرسن'' کو براہِ راست ایک گولا آ کے لگا اور وہ موقع پر ہی ڈھیر ہو گیا۔ ایسے جیسے ایک ہی جھٹکے میں کوئی دیوار گر پڑی ہو۔ اَب دونوں اطراف سے توپ و تفنگ اور بندوقوں کے حملے جاری تھے۔ صورتِ حال کی بے یقینی سے گھبرا کر ایڈورڈز میدانِ کارزار میں دیوانہ وار بھاگ رہا تھا، جبکہ کارٹلینڈ مرکزی دستے کی قیادت کر رہا تھا اور لیفٹیننٹ لیک اپنے شکست خوردہ بہاولپوری داؤدپوتری دستے کی ہمت بڑھا رہا تھا۔ حزبِ مخالف اور محافظانِ ملتان کی طرف سے اب بھی گولے دھنا دھن برس رہے تھے اور ایک زلزلہ بپا تھا۔ اُن تینوں کی سمجھ سے باہر تھا کہ آخر ملتانی سپاہ کیسے

اور کہاں سے گولے داغ رہی ہے۔ اُنہیں کس طرح اور کہاں سے مسلسل ایمونیشن کی فراہمی ممکن تھی اور بہت سے جان و مال کے نقصان کے باوجود وہ کس طرح جم کر مقابلہ کر رہی ہے اور اُن کے اندر اتنی ہمت کہاں سے آئی تھی؟

حقائق کچھ بھی ہوں میدانِ جنگ میں مُولراج ہی قیادت کا اِستعارہ تھا۔ کبھی اگلی صفوں سے اور کبھی پشت پر رہ کر۔ سدوُ سام کے ریتلے میدان میں کھجوروں کے ایک جُھنڈ میں ملتانی سپاہیوں نے بہت سی بندوقیں نصب کر رکھی تھیں اور مولراج نہر کے کنارے چھوٹی بڑی جھاڑیوں کے بیچوں بیچ ہراوّل دستوں کے مقرر کردہ پیشوا مجاہدین کو حسبِ ضرورت احکامات فراہم کر رہا تھا اور سپاہی اِنتہائی سمجھداری سے دشمن کے ٹھکانوں کے نشانے باندھ رہے تھے۔ درختوں کے اِکّھ، ریتلی زمین اور نیم بالیدہ لئی کے ٹانڈے اپنے ہم وطنوں کے لیے سازگار ماحول تشکیل دے رہے تھے۔ چند ہی گھنٹوں میں سپاہیوں نے سہ اَطرافی حصار میں چھید کرتے ہوئے دشمن کے بیسیوں جنگجو ہلاک کر ڈالے جن میں سے زیادہ تر آس پاس کے علاقوں سے زبردستی یا اُجرت پر بھرتی کئے گئے تھے اور اُن کی حرب و ضرب کی مشق یا تجربہ نہایت معمولی یا نہ ہونے کے برابر تھا۔ باقی ماندہ اہلکار دہشت زدہ ہو کر کارٹلینڈ کی چھتری تلے دوبارہ دبک کر بیٹھ گئے۔ اُن کے سامنے اور دائیں بائیں جُھلستی ہوئی زمین پر کئی سوختہ تَن لاشے بے حس و حرکت پڑے تھے جن پر سورج کی ترچھی کرنیں کیمیائی عمل میں مصروف تھیں۔ داغے گئے گولوں کی بے سمت پرواز سے کھجور کے کئی درختوں کے سَر اُڑ گئے تھے۔ جھاڑیوں میں سے جگہ بہ جگہ دُھواں اور شُعلے بَین کر رہے تھے اور سَوا نیزے پر جَلتا بلکتا سورج پہلے سے موجود تپش کو دو آتشہ کر رہا تھا۔ سراسیمگی کے عالم میں کارٹلینڈ نے یکے بعد دیگرے اندھا دُھند گولے برسانا شروع کر دیے۔

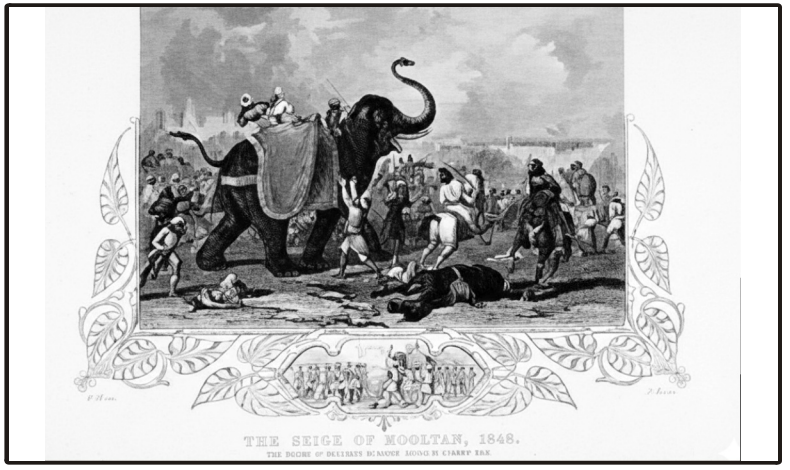

جاہن ڈنلاپ کی پینٹنگ 1849ء (۲۲)

ایسے میں ایک گولا اُس ہاتھی کے قدموں میں آ گرا جس پر دیوان مُولراج سوار تھا۔ ہاتھی خوف و ہراس میں پاگل ہو کر بھاگ کھڑا ہوا، تھوڑی ہی دیر میں بھگدڑ سی مچ گئی مگر دو تین تربیت یافتہ فیل بانوں نے جلد ہی جنونی کیفیت میں مبتلا ہاتھی کو سنبھال لیا۔ ہنگامی صورتِ حال کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے دُشمن کی سپاہ آگے بڑھ کر مسلسل فائرنگ کرنے اور گولے پھینکنے لگی۔ بھاری نقصان سے بچنے کے لیے سپاہِ ملتان نے پسپائی اختیار کرنے میں ہی دانائی سمجھی۔ صرف دو بندوقیں چھوڑ کر، جو بھاڑے کے ٹٹوؤں نے جلد ہی اپنے قبضے میں کر لیں، وہ اپنا تمام اسلحہ اور ہاتھی گھوڑے بھی ساتھ لے جانے میں کامیاب ہو گئے۔ جبکہ دُشمن کے سَترہ گھوڑوں اور چند فوجیوں کی لاشیں سمت بے سمت میدانِ کارزار میں لاوارث پڑی تھیں جنہیں سپاہِ ملتان کے پلٹنے کے بعد اُنہوں نے سمیٹا اور بمطابق اپنے اپنے رواج

کے تکفین و تدفین کی۔ پیچھے ہٹ کر ملتانی سپاہ شہر کی غلام گردشوں میں غائب ہو گئی، البتہ وہ نہر کی تنگ پُلیوں پر توپچیوں کا پہرہ بٹھانا نہ بھولے۔ کیونکہ یہ ایک سنگین غلطی ہو سکتی تھی۔ پس سدوسام کی محاذ آرائی میں بھی پلڑا بھاری ہونے کے باوجود دُشمن کو بھاری نقصان اُٹھانا پڑا مگر ملتانی فوج کا نقصان بھی کچھ کم نہ تھا۔ (۲۳)

اُدھر کارٹلینڈ، ایڈورڈز اور لیک ٹبہ (قیصرانی) میں خیمہ زن ہو کر ایک دوسرے کو مبارک سلامت کہہ رہے تھے کہ اُنہوں نے دو جولائی کی لڑائی میں مولراج اور ملتانی سپاہ کو قلعہ بند ہونے پر مجبور کر دیا تھا۔ تاہم اُن کی یہ مسرت زیادہ دیرپا ثابت نہ ہوئی۔ جلد ہی جاسوسوں نے اِطلاع پہنچائی کہ باغی سپاہ ندی پار حملہ کرنے کے لئے دوبارہ مورچہ بند ہو گئی ہے۔ دُشمن کے سپاہیوں نے بلا تاخیر کیل کانٹوں سے لیس ہونا شروع کر دیا۔ کیا سپاہی کیا لفٹین سب کے سب اپنی تھکاوٹ اور اطمینان کو ترک کر کے تحفظ اور پیش روی کے لئے مستعد ہونا شروع ہو گئے۔ زِرہ بکتر کس کے لیفٹیننٹ ایڈورڈز اپنا پسندیدہ پستول بیلٹ میں ٹھونس ہی رہا تھا کہ وہ ایک دھماکے سے پھٹ گیا۔ یکا یک اُس کے دائیں ہاتھ سے خون کا ایک فوارہ نکلا اور چاروں طرف زمین لہو سے تر بتر ہو گئی۔ ابھی وہ تکلیف سے کراہ ہی رہا تھا کہ چند سپاہی جو ابتدائی جائزے کے لئے نکلے تھے واپس آ گئے اور بتایا کہ اِطلاع جھوٹی تھی۔ یا تو اُن کے ہرکاروں کو غلط فہمی ہوئی تھی یا پھر مزاحمت کاروں نے کسی ذریعے سے یہ افواہ اُنہیں حواس باختہ کرنے کے لیے پھیلائی تھی۔ ندی کنارے نہ کوئی لشکر نہ مورچہ بندی۔ عین ممکن ہے یہ اُن کے اپنے خوف کی اختراع ہو۔ صِرف اِکا دُکا عام لوگ اور گُھڑ سوار اپنے روزمرہ کاموں کے لئے اِدھر اُدھر آ جا رہے تھے اور اِس کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔

ہر چند قتل و غارت گری کے جنون میں اُس کا دایاں ہاتھ ضائع ہو گیا تھا مگر وہ چنگیزی روح پھر بھی اپنی بربریت سے باز نہ آئی اور کُچھ ہی دنوں بعد از سرِ نو ساز باز اور جوڑ

توڑ میں جُت گئی تا کہ فتحِ ملتان کے خواب کو پایۂ تکمیل تک پہنچا سکے۔ لیفٹیننٹ لیک اور کرنل کارٹلینڈ نے اِس کام میں اُس کی بھرپور معاونت کی اور پھر لیفٹیننٹ لومزڈن بھی، جو ایک بٹالین کی رہنمائی کے لیے حال ہی میں ملتان پہنچا تھا، اِس کارِ اِبلیس میں اُن کا پورا پورا ساتھ دیا۔

انگریز فوج کی صورتِ حال اب ایک تنی ہوئی رسی پر چلنے کے مترادف تھی۔ ایک طرف اُسے ملتان کے بہادر سپوتوں کی شدید مزاحمت کا خوف کھائے جا رہا تھا اور دوسری طرف اُسے (گوروں کو چھوڑ کر) اپنی ہی سپاہ سے (جس میں سِکھ بڑی تعداد میں شامل تھے) ہر وقت بغاوت کا خدشہ لاحق رہتا تھا جو کچھ کاسہ لیس غداروں اور تنخواہ داروں کے علاوہ زیادہ تر لاہور دربار سے بھیجی گئی خالصہ فوج پر ہی مشتمل تھی۔ اُنہیں یہ احتمال بھی رہتا تھا کہ کہیں سکھوں کو پنجاب کو راج پاٹ واپس کرنے کی اُن کی سازش بے نقاب نہ ہو جائے اور وفادار سکھ اُن پر شاقی نہ ہو جائیں۔

دراصل رنجیت سنگھ کی موت (1839ء) کے بعد سلطنت کی عملداری کا کوئی مستند نظام وانصرام نہ ہونے کے باعث پنجاب مثالی انتشار، نفسا نفسی اور خانہ جنگی کا شکار تھا، دو چار مہینوں میں ہی رنجیت سنگھ کی نام نہاد تنظیم، عقل و دانش اور اِنتظام کاری کا بھانڈا پھوٹ گیا اور معلوم ہوا کہ اُس کی بنائی ہوئی مِسلیں، صوبیداریاں اور حکمرانی کے سارے ضوابط صرف خراج اور محصولات کے گرد گھومتے تھے۔ امن پسندی کا ڈھنڈورا جابرانہ تحکم پسندی، منقسم جاگیرداری اور طوائف الملوکیت کے سوا کچھ نہ تھا۔ عرفِ عام میں خالصہ فوج کے سُورما بھی جاگیرداری، مراعات اور اشرفیوں کے تھال پر ہی رقص کرتے تھے اور تو اور وزارت اور تخت نشینی کے جھگڑوں میں رنجیت سِنگھ کا اپنا خانوادہ اور کارپرداز کئی دھڑوں مثلاً ڈوگروں، سدھنوں، براہمنوں، سکھوں، مسلمانوں، لہنا سنگھوں وغیرہ میں بَٹ چکا تھا۔ کسی کو ''مہراجہ

رنجیت سنگھ کی لیگیسی'' کے ساتھ کوئی نسبت نہیں تھی اور حقیقت یہ ہے کہ امرتسر سے لاہور، کشمیر سے پشاور اور ملتان سے شکارپور تک زیادہ سے زیادہ علاقے فتح کرنے کی ہوس کے سوا اُس کی کوئی لیگیسی تھی ہی نہیں۔ علاوہ اس کے اُس کی باقیات میں نہ کوئی نظامِ وراثت، نہ کوئی تعمیر و ترتیب، نہ حویلیاں، نہ قلعے، نہ قانون، نہ یادگاریں۔ فقط ایک انفرادی شوقِ یلغار و حصار اور بس۔ (۲۴) تاہم یہ بات درست ہے کہ رنجیت سنگھ نے بغاوت کی پاداش میں موت کی سزا ختم کر دی تھی اور عرفِ عام میں یہ بات مشہور تھی کہ اس کے مفتوحہ علاقوں میں کوئی بھی اپنی ذاتی حیثیت میں اُسے مل سکتا تھا یا پھر اس کے دورے کے دوران اُس سے براہِ راست شکایت کر سکتا تھا۔ لیکن عملی طور پر ایسا شاذ و نادر ہی ہوتا تھا۔ اُس کے مداحین یہ بھی کہتے ہیں کہ رنجیت سنگھ نے لارڈ میکالے کی ہندوستان آمد سے قبل (یعنی 1824ء سے ایک دہائی قبل) پنجاب میں دیوانی اور فوجداری قوانین متعارف کروائے تھے۔ مگر تاریخ میں ایسے کوئی شواہد نہیں ملتے۔ (۲۵) دوسرے لفظوں میں جو باقی بچا وہ محض لوٹ مار، مالیانہ، آبیانہ، کنکوٹ، بٹائی اور محصولات کے آمرانہ نظام کے علاوہ کچھ نہ تھا جس کی مقدار کسانوں اور محنت کشوں کی نصف سے لے کر ایک تہائی آمدنی اور پیداوار تک تھی۔[5]

فوج الگ مُنہ زور اور مفاد پرست ہو چکی تھی بلکہ رنجیت سنگھ کی موت کے بعد اصل کارِ مختار فوج ہی تھی۔ متفرق رجمنٹوں کے سردار ہمہ وقت اپنی تنخواہیں اور انعام و اکرام بڑھوانے، درباری توشہ خانہ کو لُوٹنے، نئے نئے حکمران بٹھانے، ہٹانے، وفاداریاں بدلنے، اُنہیں قتل کرنے، کروانے، ذاتی رنجشیں چکانے، انتقام بازیوں اور موج مستیوں میں مصروف تھے۔ نئے اور عارضی راجوں کی حیثیت محض علامتی تھی۔ دھونس، دھمکی، لالچ، رشوت، غداری، وفاداری اور ایجنٹی کے باہمی طعنے، تمغے، تحفے، دَشنے، کم و بیش سارے ہی

5۔ ساری صورتحال کی عکاسی پروفیسر عزیز الدین احمد (2018ء) کی کتاب ''پنجاب اور بیرونی حملہ آور'' میں کی گئی ہے۔ البتہ نکتۂ نظر اور حاصلِ وضاحت مصنف کا اپنا ہے۔

سکے بساط بھر چلنے لگے تھے۔ یہاں تک کہ سونے کے طشت و آلات بھی اشرفیوں میں ڈھال کر افواج میں بانٹ دیے گئے۔ مگر پھر بھی وہ ''ھل من مزید'' کا اِستعارہ بنے رہے۔ اِسی طوائف الملو کی میں شیر سنگھ نے دھیان سنگھ وزیر کی مدد سے خالصہ فوج کو منظّم کر کے رنجیت سنگھ کی اپنی راجدھانی لاہور شہر اور لاہور قلعہ میں داخل ہو کر ڈوگرا سرداروں اور عوام دونوں کو خوف و ہراس کا شکار کیا، فصیلِ لاہور کے اندر نا قابلِ بیان دھینگا مُشتی ہوئی۔ جس کے ہاتھ جو آیا، اُٹھا کر لے گیا۔ صرف تین چار سال کے اندر رنجیت سنگھ کے خاندان ہی سے کئی افراد تخت پر بٹھائے، اُتارے اور بے عزت کر کے جان سے مارے گئے۔ طاقت اور اختیار کا کوئی ایک فُلکرم نہ رہا، خالصہ دربار، عسکری رجمنٹیں، مقامی سردار سب ایک دوسرے کو مشکوک نگاہوں سے دیکھنے لگے۔ ہر طرف باہمی سازشوں کا بازار گرم تھا۔ اِس کا ایک سبب تو رنجیت سنگھ کے اپنے نظام و انتظام کی نااہلی بلکہ عدم موجودگی اور دوسرا انگریزوں کی دور از کار اور بعید از قیاس سازشیں تھیں۔ یہاں تک کہ رنجیت سنگھ کی محبوب رانی، رانی جنداں بھی انگریزوں کے ساتھ مل کر رنجیت سنگھ کی راجدھانی کے خاتمے میں شریکِ ارادہ تھی۔ (۲۶) دراصل یہی عدم استحکام، غیر مربوط فرمانروائی اور مفاد پرستیاں رنجیت سنگھ کی اپنی زندگی میں بھی موجود تھیں جنہیں رنجیت سنگھ نے بیت المال اور محصولات کی تقسیم کے لالچ تلے دبایا ہوتھا۔

رنجیت سنگھ کی موت کے بعد پیدا ہونے والی سیاسی ہڑبونگ میں دو دھڑے یعنی 'سدھانوالہ' اور 'ڈوگرا' زیادہ ممتاز تھے جبکہ منظرِ عام پر مقابلہ گلاب سنگھ ڈوگرا اور شیر سنگھ اٹاری والا کے درمیان تھا۔ ایڈورڈز اور کارٹلینڈ سوچی سمجھی سکیم کے تحت بار بار شیر سنگھ سے قلعہ ملتان کی عسکری قوت کا ذکر کرتے رہتے تھے تا کہ وہ اُس کے دل کو ٹٹول سکیں یا پھر اُسے یہ باور کرا سکیں کہ کامیاب ملتانی بغاوت کے نتیجے میں اُٹاری والا خاندان اور بالخصوص شیر

سنگھ اور چھتر سنگھ اٹاری والا (شیر سنگھ کا باپ) کے پاس بھی جیون سمیت کُچھ باقی نہیں بچے گا۔ گویا وہ اِشاروں کنایوں میں یہ کہتے رہتے کہ بغاوت کے اِس سمے شیر سنگھ اور چھتر سنگھ کو انگریزوں کا ہی ساتھ دینا چاہئے۔ دھمکیوں کو ریشمی الفاظ میں لپیٹ کر وہ ظاہری طور پر شیر سنگھ سے نہایت عزت و احترام سے پیش آ رہے تھے جیسے اُن کا اِن سے سچا کوئی دوست نہ ہو۔ شیر سنگھ اور اٹاری والا پریوار بھی کمپنی سرکار کی طرف سے پنجاب حکومت میں اپنے حصے داری کی خواہش دل میں لئے ہوئے تھا۔ اس لئے وہ بھی اپنے مفاد کے تحت انگریزوں کا ہی ساتھ دے رہے تھے۔ شیر سنگھ کو ریذیڈنٹ پنجاب سر فریڈرک کُری کی طرف سے ہدایات مِلیں کہ وہ دو اور مقامی افسروں (سہولت کاروں) یعنی عماد الدین اور جواہر لال کے ساتھ مِل کر قلعہ پر چڑھائی کریں اور کچھ ہی دنوں میں لاہور سے ملتان پہنچنے والے جنرل ولیم وہش کا بھی ساتھ دیں۔ دوسرے لفظوں میں ملتان پر تین سمتوں سے حملے ہو رہے تھے۔ خالصہ دربار کی فوج اُتر کی طرف سے، بہاولپور اور داؤد پوتر ے دکشن کی جانب سے، جبکہ کرنل کارٹلینڈ اور ایڈورڈز کی فوجیں پچھم کی جانب سے حملہ آور ہو رہی تھیں۔

یعنی ملتانی قلعے کو فتح کرنے اور اقتدار کے حصول میں خالصہ دربار اور انگریز سرکار شیر و شکر تھے۔ ایک طرف کارٹلینڈ اور ایڈورڈز شیر سنگھ کو ادب و احترام دے رہے تھے اور دوسری طرف ایبٹ آباد (ہزارا) کے جیمز ایبٹ کا رویہ اٹاری والا خاندان سے خراب ہوتے ہوتے توہین آمیز ہو گیا تھا جو کہ برطانوی مزاجی خصوصیت کے مطابق ایک سوچا سمجھا طریقہ ہی لگ رہا تھا تا کہ اٹاری والا پریوار کی خوش فہمیوں اور مرتبے کو پاش پاش کر کے اُنہیں کمپنی بہادر کے عام اہلکاران کے برابر لا کھڑا کیا جائے۔ یکے بعد دیگرے ہندوستان کے نئے نئے علاقے فتح کرنے کی وجہ سے انگریز کی طاقت پہلے ہی دِن دُگنی رات چگنی ہوتی جا رہی تھی، جبکہ قلعہ کہنہ ملتان میں اب صرف دو ہزار ریگولر آرمی کے جوان، پانچ یا چھ توپیں اور

بہت محدود گولا بارود باقی رہ گیا تھا، باقی کی فوج تلواروں، برچھیوں یا پھر کھیتی باڑی کے اوزاروں سے ہی لڑنے پر مجبور تھی اور اُن میں سے بیشتر کی کوئی رسمی تربیت بھی نہیں تھی۔

جنرل ولیم سیمپسن وہش کی سرکردگی میں ایک دستہ لاہور سے ملتان کی جانب رواں دواں تھا جس کی کمان میں قریب قریب آٹھ ہزار متفرق جوان تھے۔ جنرل وہش کو 1804ء میں بنگال آرٹلری میں کمشن دیا گیا تھا، 1826ء میں وہ کرنال اور سرہند ڈویژن آرٹلری کو لیڈ کر چکا تھا اور جنوری 1848ء میں اُس نے جاہن لٹلر کی جگہ لاہور میں برٹش ٹروپس کا چارج سنبھالا تھا۔ ملتان قلعے کی فتح کو مشکل سے مشکل تر پا کر ریذیڈنٹ لاہور سر فریڈرک کُری نے اگست میں اُسے اِس لئے ملتان بھیجنے کا فیصلہ کیا (۲۷) کیونکہ اُسے وہش کی مُبارزانہ و (قاتلانہ) صلاحیتوں پر پورا پورا بھروسہ تھا۔ اُدھر دربار کی فوج بھی اُن کا ساتھ دینے کے لئے شیر سنگھ اٹاری والا کی کمان میں ملتان آ رہی تھی۔ یہ صورتِ حال بھانپتے ہی مُولراج رہا سہا حوصلہ بھی ہار بیٹھا کیونکہ وہ پہلے ہی انگریز سرکار کے خلاف نبرد آزما ہونے کے لئے تیار نہ تھا۔ اسی لئے ایک طرف تو وہ ملتانی عوام کی مزاحمت کا سپہ سالار بنا پھرتا تھا اور دوسری طرف ریذیڈنٹ پنجاب فریڈرک کُری کو معافی نامے یا رحم کی اپیلیں بھیجے چلا جا رہا تھا۔ حقیقت میں یہ ملتان کے سپاہی اور عوام ہی تھے جو تن من دھن سے ملتان کی خودمختاری کے تحفظ کے لیے میدانِ جنگ میں کود پڑے تھے اور مولراج کو اِس مزاحمت کی کمان سنبھالنے پر مجبور کیا تھا اور تو اور سکھ راج کے ماتحت ہونے کے باوجود مولراج زیادہ تر سکھ سپاہیوں کی حمایت حاصل کرنے میں بھی ناکام رہا تھا اور گراؤنڈ پر زیادہ تر مقامی مسلم، پشتون، بلوچ اور ہندو افواج ہی انگریز فوج کے خلاف برسرِ پیکار تھے۔ اکثر سِکھ سپاہیوں کا خیال تھا کہ مُولراج نے خالصہ دربار اور دلیپ سنگھ کے خلاف بغاوت کی ہے اس لئے اُس کو سزا ملنی چاہیے۔ لیکن جب مہارات سنگھ نے ملتانی باغیوں کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا تو کسی حد

تک، محدود وقت کے لئے ہی سہی، کیفیت بدلنے لگی اور کچھ نہ کچھ سِکھ سپاہیوں نے بھی سپاہِ ملتان کا ساتھ دینا مناسب سمجھا۔

اُدھر فیلڈ مارشل لارڈ ہف گف شملہ کے پُرفضا مقام پر آنے والی سردیوں میں محاذ آرائی کے مزید منصوبے بنا رہا تھا۔ یہ وہی لارڈ ہف گف تھا جس کا گورنر جنرل ڈلہوزی کے ساتھ ملتان پر چڑھائی کو گرمیاں اور برسات گزر جانے تک روکے رکھنے پر اتفاقِ رائے تھا۔ اُس کا خلیج بنگال، ہفیم جنگ اور پہلی اینگلو سکھ جنگ میں جدال و قتال کا وسیع تجربہ تھا۔ شملہ میں ہی اُسے ایڈورڈز کا خط ملا جس میں اُس نے لکھا کہ: ''ہم ملتان کی بغاوت کو شمپین کی جھاگ کی طرح اُڑا دیں گے۔'' جبکہ حقیقت میں برطانوی آرمی کو مسلسل یہ دھڑکا لگا رہتا تھا کہ اگر ملتانی باغی سپاہی، مقامی نوابوں، سرداروں اور سکھوں نے آپس میں اتحاد بنا لیا تو شکستِ فاش یقینی ہوگی۔ اِس لئے جنگ کشی کے ساتھ ساتھ وہ جوڑ توڑ میں بھی لگے رہتے تھے تاکہ مقامی مزاحمت کو منقسم رکھا جا سکے اور اپنوں کو اپنوں سے لڑانے میں وہ بہت کامیاب رہے۔ جون، جولائی اور اگست کی جان لیوا گرمی میں دو تین مرتبہ مخالف فوج میں کشت و خون ہو چکا تھا۔ برطانوی کیمپوں میں وقتاً فوقتاً یہ اِعلان بھی ہوتا رہتا تھا کہ ملتانی سپاہ سے ایک یا دو ہفتوں کے بعد دوبارہ سامنا ہوگا۔ اِسی دوران پہلے ہی دو ایک مرتبہ قلعہ بند کچھ ملتانی سپاہی صورتِ حال کا جائزہ لینے کے لئے باہر نکلے مگر کوئی گولی شُوٹ کیے بغیر اندر چلے گئے۔ اِن تین مہینوں کے دوران اگر وہ مکمل تیاری سے انگریزی فوج پر حملہ آور ہوتے تو انگریز افسران میں سے شاید ایک بھی باقی نہ رہتا مگر بدقسمتی، مخبری یا مولراج کے متزلزل ارادوں اور اندرونی خوف نے ملتانی سپاہ کو ایسا کرنے سے بار بار روکے رکھا۔ یہی تین ماہ ہی تاریخ کا رُخ موڑنے کے لئے اہم ترین تھے اور دل ہی دل میں خوفزدہ مُولراج نے تینوں ماہ نہ خود کوئی بہادری کا جوہر دکھایا اور نہ ہی کسی اور ملتانی سُورما کو سپہ سالاری سونپ کر آگے

بڑھنے دیا۔ اگر اُس کی بغاوت میں کوئی کھوٹ نہیں تھا تو وہ ایسا ہی کرتا۔ کیونکہ محاذ آرائی کے یہی تین ماہ، جب موسم انگریز افواج کے لئے بالکل ہی موافق نہیں تھا، انگریزی اتحادی فوج کے لئے عسکری تاریخ کا سب سے بڑا اثاثہ ثابت ہوئے۔ (۲۸) حالانکہ اسی دوران اُنہیں دھاوے بولنے کے بعد بار بار قلعہ میں پناہ لینے کی بجائے باہر نکل کر بار بار اتحادی افواج پر حملے کر کے اُن کی کمر توڑ ڈالنی چاہئے تھی۔

جب مُولراج اور اُس کے دستے مولراج کے پلان مطابق قلعے میں پناہ گزین تھے تو لیفٹیننٹ ایڈورڈز بِہ قیصرانی پر پڑاؤ ڈالے فیلڈ مارشل ولیم وہش کے تازہ دم دستے کے انتظار میں تھا تا کہ وہ تینوں اَطراف سے حملہ کر کے قلعہ ملتان کو روئی کے گالوں کی طرح اُڑا کر رکھ دے۔ بالآخر سورج کُنڈ ندی کے مغرب میں دونوں دوستوں نے ایک دوسرے کا فوجی اعزاز کے ساتھ استقبال کیا اور مزاحمت کاروں کے لئے یہ کوئی اچھا شگن نہیں تھا۔

☆☆☆

پانچواں باب

اُمید و بیم، ندی کنارے جھڑپیں اور ہلاکتیں

سورج کُنڈ فصیلِ شہر کے جنوب مغرب میں شجاع آباد کی طرف جاتے ہوئے تین کوس کے فاصلے پر ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔ سورج کُنڈ قدیم سوریا دیوتا کے مندر اور ملحقہ تالاب کی وجہ سے بھی معروف ہے۔ مندر کے بارے میں خیال ہے کہ وہ دسویں اور گیارہویں صدی کے درمیان کہیں تباہ ہو گیا تھا مگر تالاب کافی اچھی حالت میں اَب بھی موجود ہے۔ ملتان شہر اور سورج کُنڈ کے درمیان تقریباً ایک بُھربُھرے اور غیر منظّم کناروں والی آڑی ترچھی اور گہری مگر تیز بہاؤ والی ایک نہایت مفید نہر بہہ رہی ہے جو نالہ ولی محمد کے نام سے جانی جاتی ہے۔ اِس کے کناروں کی اونچائی تقریباً دس فٹ ہے اور یہ کسی مہربان اژدہے کی طرح قلعہ کے پہلو سے گزرتی ہوئی جنوب مغربی راستے سے کئی میل آگے کو چلی جاتی ہے۔ گرمیوں کے پانچ چھ ماہ اِس میں سرتاسر پانی رواں دواں رہتا ہے اور مختلف مقامات سے کئی اور چھوٹے بڑے نالے کھالے بھی اِس میں سے نکلتے ہیں جو کاشتکاری کے بڑے بڑے رقبوں کو سیراب و آباد کرتے ہیں۔ ملتان شہر کی ہریالی و آبیاری اور پانی سے منسلک دوسرے کئی چھوٹے چھوٹے کاموں میں اِس نہر کا کردار انتہائی اہم ہے۔ جب یہ ندی چڑھی ہوئی ہوتی ہے تو کسی بھی جارح لشکر یا فوج کے لئے اچھی خاصی رکاوٹ کا باعث بن سکتی ہے اور بغیر پُلوں کے پار نہیں کی جا سکتی۔

سورج کُنڈ کے نزدیک نہر پر جہاں سے انگریزی افواج اور اُن کے معاون غدار ملتان کی طرف پیش قدمی کر رہے تھے، دو تنگ سے پُل تھے جبکہ اُتر پچھمی جانب قلعہ کے نزدیک اینٹوں کا بنا ہوا ایک اور نسبتاً مضبوط پُل تھا۔ یہاں پر متعین ملتانی دفاع کاروں کی

تعداد تقریباً پندرسَو کے قریب تھی۔ اُنہوں نے ہر ایک پُل پر تقریباً دو توپیں نصب کر رکھی تھیں۔ جب دشمن کی سپاہ قریب پہنچی تو اُن کا راستہ مسدود کرنے کے لئے اُنہوں نے خود ہی دو پُلیں دھماکے سے اُڑا دیں۔ اِسی کارَن کارٹلینڈ اور ایڈورڈز نے یہاں سے نہر کراس کرنا مناسب نہ سمجھا بلکہ وہ نہر کے ساتھ ساتھ اُتر پچھمی سمت گاؤں ٹبہ (قیصرانی) کی طرف سفر کرتے رہے جو کوئی دو کوس کے فاصلے پر تھا۔ گویا اب ملتانی سپاہ اور دُشمن کے درمیان اس نہر کی کمزور سی ڈھال ہی باقی رہ گئی تھی۔ بندوقیں سنبھال کر وہ بھی نہر کے بائیں کنارے دشمن کا متوازی تعاقب کرنے لگے تا کہ ہدف رَساء فاصلے سے اُن پر گولیاں یا گولے برسائے جاسکیں۔

جنرل وہش اور اُس کی بٹالئن تمام آلات واسلحہ میسر ہونے کے باوجود بھی موت و حیات کی کشمکش میں گھرے ہوئے تھے۔ گزشتہ تین مہینوں سے کمک کی امید وبیم میں وہ ملتانی عسکری قوت کا براہِ راست سامنا کرنے سے کبھی ایک اور کبھی دوسرے طریقے سے گریزاں رہے تھے۔ صاف ظاہر تھا کہ تازہ دم دستے اور مزید اسلحہ اُن کی قوت اور حوصلوں میں بے پناہ اضافہ کر سکتے تھے جبکہ اِنتظار کے دورانیے میں طوالت اُنہیں نت نئے خطرات سے دوچار کر رہی تھی۔ بمبئی سے ملتان کا فاصلہ بھی نہ تو معمولی تھا اور نہ ہی آسان۔ ٹروپس پہلے بمبئی سے مغربی ساحل کے ساتھ ساتھ سمندر میں سفر کرتے تھے اور پھر کراچی کے ساحلوں پر لنگر انداز ہونے کے بعد چند میل خشکی پر سفر کرتے ہوئے دریائے سندھ میں اپنے بیڑے ڈالتے تھے اور پھر دریا کے بہاؤ کے مخالف سمت میں کشتیاں کھیتے ہوئے سندھ کے مختلف علاقوں سے ہوتے ہوئے وہ ملتان کے میدانوں میں داخل ہوتے تھے۔ موسم اور دریا کی طغیانیوں کے پیشِ نظر اُنہیں کہیں نہ کہیں اولڈ جی ٹی روڈ بھی اختیار کرنی پڑتی تھی اور پھر سندھ سے چناب اور چناب سے میدانِ کارزار تک پہنچنا بھی گوناں گوں رکاوٹوں کا باعث بن سکتا تھا۔ دریں

اثنا بعض اوقات مقامی لوگ بھی گوروں کے دستوں کو عمومی ناپسندیدگی کا نشانہ بنا سکتے تھے۔

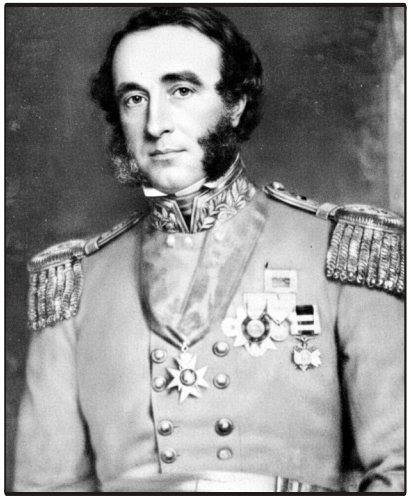

ولیم سیمپسن وہش (1787-1853)

یہاں جنرل وہش کی فوج وقت کے ساتھ ساتھ اپنی قوت اور آس دونوں کھو رہے تھے۔ جنرل نے آرمی کو مصروف رکھنے کے لیے محاصرے کی فرضی مشقیں شروع کرا دیں۔ حربی اُچھل کود کے ساتھ ساتھ وہ کبھی کبھار اُنہیں ہنسی مذاق اور کھیل کود کے لیے بھی اُکساتا تھا تا کہ وہ بے معنی یکسانیت کا شکار بھی نہ ہوں اور اُنہیں وقت گزرنے کا احساس بھی نہ ہو۔ لیکن کسی بھی لمحے وہ نظم وضبط کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتا تھا تا کہ وہ اپنے ہدف یعنی قلعۂ ملتان پر حتمی دھاوا بولنے کو نہ بھول سکیں۔ لہٰذا بٹالئین وہش کی ہدایات کے مطابق کبھی خندقیں کھودتی اور کبھی بند کرتی، کبھی بندوقوں اور آدمیوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرتی اور کبھی مصنوعی بارودی سُرنگیں بناتی، بگاڑتی اور کبھی یہ تصور کرتے ہوئے کہ وہ دشمن پر چڑھ دوڑنے کے لیے مسلسل آگے بڑھ رہے ہیں، اپنے سامنے والے جھاڑ جھنکار اور جنگل بیلوں کو صاف کرنے کی ایکٹنگ کرتے اور کبھی وہ یہ تصور کرتے کہ مزاحمت کاروں نے اُن پر حملہ کر دیا ہے اور وہ

اپنی جان اور مال کی حفاظت کے لیے ہر طریقہ اور ہر اَوزار استعمال کر رہے ہیں۔ اپنے کیمپوں کو مضبوط سے مضبوط تر کرنے کا کام تو وہ اکثر کرتے ہی رہتے تھے۔

پھر وہی ہوا جس کا اُنہیں خدشہ تھا۔ باغیانِ ملتان نے اچانک اُنہیں آن لیا۔ اُن کی حکمتِ عملی، لگاتار فائرنگ اور بڑھتے ہوئے دباؤ سے اِتحادیوں کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ اُن سے کچھ بَن نہیں پا رہا تھا، رفتہ رفتہ اُن کے جانی نقصان میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا اور وہ بار بار اِس ہدف ٹھکانے سے نکل کر یا تو پسپائی اختیار کرنا چاہتے تھے یا پھر کسی طرح جوابی کارروائی کرنا چاہتے تھے۔ مگر کوئی صورت نظر نہیں آ رہی تھی۔ تقریباً رات کے سات بجے لیفٹیننٹ پولاک اور لیفٹیننٹ لیک اپنے ٹروپس کو منظّم کرنے اور اُن کا حوصلہ بڑھانے کے لیے میدان کی طرف نکلے۔ اُن کے پہنچنے سے پہلے ہی ٹروپس کے کچھ سپاہی اپنے طور پر ندی کے خشک سینے میں اُتر گئے تا کہ بہت تھوڑے وقت میں ندی کی دوسری جانب پہلے سے موجود اپنے فوجیوں سے مل کر ملتانی سپوتوں کا آمنے سامنے مقابلہ کر سکیں۔ اپنی ذرا اُونچائی پر موجود پوسٹ پر متعین بنگال آرٹلری کا لیفٹیننٹ جیمز تھامسن یہ سمجھا کہ مزاحمت کار عساکر ندی پار کر کے براہِ راست اُن پر حملہ کرنے آ رہے ہیں۔ اُس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، بس فائر کھول دیا۔ جیمز تھامسن کی فائرنگ کا اِشارہ سمجھتے ہوئے اُوپر موجود کمپنی کے جوانوں نے بھی ندی میں رواں دواں فوجیوں پر اپنی بندوقوں سے تڑاتڑ فائرنگ شروع کر دی۔ بعد میں پتہ چلا، یہ تو اُن کے اپنے ہی آدمی تھے۔ گویا آن کی آن میں دشمن کے دس بارہ فوجی اپنی ہی حماقت سے ہلاک ہو گئے اور کُچھ زخمی بھی۔

اُدھر لیفٹیننٹ ایڈورڈز جو کہ اپنے ٹینٹ میں مزے سے بیٹھا شاید کچھ لکھ رہا تھا، صورتِ حال کی بے یقینی سے گھبرا کر خندق کی طرف دوڑا۔ جب لیفٹیننٹ لیک کو پتا چلا تو اُس نے بھی خوف اور پریشانی میں ایڈورڈز کی راہ لی۔ پچھتاوے اور بے خوابی کی نہ ختم

ہونے والی رات میں وہ سرد مٹی کی گود میں کمبل لیے ٹھٹھرتے، بُڑبُڑاتے لیفٹیننٹ جیمز کی کم عقلی کو کوستے رہے۔ مگر اب کچھ بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ ایک کے بعد ایک جانی اور مالی نقصان سے دوچار ہو رہے تھے۔ ملتانی عسکریوں کا خوف اور توپوں کی گھن گرج اُن کے حواس خطا کیے جا رہی تھی جن کی لگاتار فائرنگ ندی کے مغربی کنارے کو آہستہ آہستہ مخدوش کر رہی تھی اور اِسی کنارے کی طرف ہی کیمپوں اور خندقوں میں سوئے ہوئے اُن کے سپاہیوں کے سَر تھے جن کو لمحہ بھر بھی سکون میّسر نہیں تھا اور وہ مزید مایوسی کی دَلدل میں دھنستے چلے جا رہے تھے۔ جانیں گنوانے، بے خوابی اور شکست پر شکست نے اُن کے حوصلے ڈانواں ڈول کر دیے تھے۔

کرنل کارٹلینڈ اور جوزف گُولے کیمپ میں ابھی اپنی سراسیمگی سنبھالنے اور اپنے ہی ہاتھوں اپنے ساتھیوں کے مارے جانے کا غم غلط کرنے کی کوشش میں اعلیٰ کوالٹی کے سگاروں کا دھواں منتشر کر ہی رہے تھے کہ ایک اور خبر نے اُن کے ہوش و حواس خطا کر کے رکھ دیے۔ یکا یک ایک سپاہی اندر آیا اور چھوٹتے ہی بولا کہ وہ دستہ جو لیفٹیننٹ پولاک کے ساتھ میدانِ جنگ میں اُترا تھا باغی ہو کر مزاحمت کار ملتانی دستوں سے جا ملا ہے جس سے اُن کی قوت اور طاقت میں کئی گُنا اِضافہ ہو گیا ہے۔ فائرنگ کا سلسلہ بڑھ گیا ہے اور ہمارا زیادہ سے زیادہ جانی نقصان ہو رہا ہے۔ خبر سنتے ہی گُولے اور کارٹلینڈ کے ہاتھوں سے سگار گر گئے اور سب کچھ بھُلا کر اب اُن کو اپنی جان کے لالے پڑ گئے۔ لیکن ایک مقامی کمانڈر نے اُنہیں تسلی دی کہ پوری بٹالین تو نہیں تاہم کچھ سپاہی ضرور اپنے ہم وطنوں سے جا ملے ہیں۔ دونوں نے ایک لمحے کے لیے مقامی کمانڈر کو بھی مشکوک نگاہوں سے دیکھا مگر اُن کے پاس شاید اب کسی بھی کیفیت کو بھانپنے کے لئے کوئی وقت باقی بچا تھا نہ حواس، کیونکہ اُنہیں یہ جگہ فوراً چھوڑنی تھی۔

ملتان کے سپاہی اب کافی آگے آ کر وار کرنے لگے تھے۔ دھما کے اِتحادی اَفواج کے آس پاس، یہاں وہاں ہونے لگے تھے اور وہ خوف کے مارے ٹیلوں میں دُبکنے یا پیچھے سرکنے لگے تھے اور جس معمولی بند کی اوٹ میں وہ بیٹھے تھے کوئی دم جاتا ہے کہ ملتانی گولا بارود اُن کو مزید ننگا کرنے والا تھا۔ بڑھتے ہوئے خطرے کے پیشِ نظر کرنل کارٹلینڈ، لیفٹیننٹ لیک اور ایڈورڈز دوڑے اور ہدف سے دور جائے پناہ تلاش کرنے لگے۔ دو چار درختوں کے جُھنڈ میں اُنہیں نسبتاً محفوظ مقام نظر آیا جہاں بیٹھ کر وہ نئی سازش تیار کرنے اور مقابلے کا نیا طریقہ وضع کرنے لگے۔ سب سے پہلے اُنہوں نے پولاک کی امداد کے لیے کچھ سپاہیوں کو تیار کیا کیونکہ وہ اب بھی کم وبیش اکیلا دیوانوں کی طرح جوابی کارروائی میں ایڑی چوٹی کا زور لگائے ہوئے تھا اور صرف ایک آفیسر ہی اُس کا ساتھ دے رہا تھا۔ وہ تینوں سوچنے لگے کہ اس سے پہلے کہ قدرے قریب جا کر مزاحمت کرنے سے اُن کے پرخچے اُڑ جائیں یا پھر مزاحمت کا رندی کر اس کر کے ہماری چھاتیوں میں بلٹ اتارنے لگیں، پولاک اور اُس کے ایک آدھ دلیر ساتھی کو امداد بھیجنا ضروری تھا۔ کیونکہ اب اُن کے پاس صرف دو تو پچیاں ہی باقی تھیں۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اِتحادی اَفواج ابھی تک اپنے ہی ساتھی کے ہاتھوں اپنے ہی ساتھیوں کے مارے جانے کے تاسف اور ذہنی دباؤ سے باہر نہیں آئی تھیں، ستم بالائے ستم یہ کہ لگاتار شکست خوردگی، پسپائی اور جوانوں کے ضائع ہونے سے بے حد پریشانی تھی۔ اُدھر کچھ نڈر ملتانی جوان جارحیت پسندوں کی زخم خوردگی دیکھ کر اپنی خندقوں اور حفاظتی بندوں سے باہر آ کر زیادہ ایڈوانس مقامات پر اپنی پوزیشن سنبھالنے لگے۔ کچھ دائیں، کچھ بائیں اور کچھ نہر کے دامن میں مغربی کنارے کے عین نیچے اندھیرے کی اوٹ لے کر ریت اور مٹی میں سرایت کر گئے۔ ایسے کہ بے پایاں پریشانی سے دوچار دشمن کو ذرا

شک نہ ہوا۔ اُنہوں نے جنگجوؤں کے چھوٹے چھوٹے دستے بنا کر ہر ایک کی قیادت ایک جری جوان کو سونپ دی۔ میجر ایڈورڈز اپنے ایک نئے لیفٹیننٹ کی مدد کو دوڑا جبکہ کارٹلینڈ اور لیک کو موجودہ صورتِ حال میں یہی مناسب لگا کہ جہاں جہاں اُن کے باقی ماندہ سپاہی موجود تھے اُن کی حوصلہ افزائی کی جائے اور اُنہیں اگلا قدم اُٹھانے کی تاکید کی جائے، اُنہوں نے ہچکچاتے ہوئے کچھ اور سپاہیوں کو خندقوں میں اُتارا تا کہ جس قدر ممکن ہو اپنا دِفاع کیا جا سکے اور جانی نقصان کو کم سے کم کیا جا سکے۔ مگر یہ ساری صورتِ حال اب بھی اُن کے لیے اطمینان بخش نہیں تھی۔ شک وشُبے کی لہر بھی درونِ خلفشار اُن کے لہو میں دوڑ رہی تھی۔ کسی کو کسی پر اعتماد باقی نہیں رہا تھا، دوست دشمن کا فرق مٹنے لگا تھا۔ بالخصوص کمپنی افسران مقامی پٹھانوں، سِکھوں اور اردگرد سے اِکھٹے کیے گئے اُجرتی سپاہیوں کو شک کی نگاہ سے دیکھنے لگے تھے۔

شام اُتری تو حبس بھری رات ختم ہونے کو ہی نہیں آ رہی تھی۔ اُنہوں نے صبح آٹھ بجے حملہ کرنے کا سوچ رکھا تھا اور اگر رات کی رات رگ وپے میں لہو گردش کُناں رہا تو بڑی بات ہو گی۔ صبح سمے جب منتقم سورج دھیرے دھیرے لباسِ اُفق سے اپنے خنجر چمکاتا ہوا دکھائی دیا تو اُن کے تازہ دم دستوں کے انگڑائی لیتے ہی ملتانی فوج نے اپنی نئی پوزیشن سے بگُٹٹ یلغار کر دی اور اِتحادی افواج کے ملازم سپاہیوں میں سے کچھ کو ہلاک اور کچھ کو اَدھ مُوا کر دیا اور باقیوں کو سر پر پاؤں رکھ کر بھاگنا پڑا۔ دُشمن کو بھاگتے ہوئے دیکھ کر وہ چیتوں کی طرح اپنے مورچوں سے نکل کر گوروں کے کیمپوں پر پِل پڑے اور اُن کے دائیں بازو پر موجود دستے کو روئی کے گالوں کی طرح اُڑا کر رکھ دیا۔ بوکھلائے ہوئے دُشمن نے آرٹلری کے آدمیوں کو جوابی فائر کھولنے کے لیے کہا۔ گھات لگائے ہوئے ملتانی سپاہیوں نے ندی کے خشک پاٹ میں آگے اور آگے بڑھنا جاری رکھا اور مناسب ترین مقام پر پہنچ کر پہلے سے

دُگنی قوت کے ساتھ دُشمن پر دوبارہ حملہ کر دیا۔ میجر ایڈورڈز نے کچھ مزید زر خرید لڑاکے اپنی مدد کے لیے بلوائے اور گزشتہ رات، جو کسی قیامت کی رات سے کم نہ تھی، اپنے بدترین تجربے کے خوف سے اَب کی بار کرنل کارٹلینڈ کو پیشگی اطلاع بھیجی کہ 'اُس کے کیمپ پر شدت سے حملہ کر دیا گیا ہے اور یہ کہ جوابی کارروائی کے لیے اپنے ٹروپس کو ندی میں اُتارنا ازحد ضروری ہے۔' دراصل اُس کو خطرہ تھا کہ کہیں پہلے کی طرح اُوپر ٹھہرے ہوئے فوجی دوبارہ اپنے ہی فوجیوں کا شکار کرنا نہ شروع کر دیں۔

ملتانی دستوں نے بغیر کسی توقف کے اپنی یورش جاری رکھی ہر چند کہ دُشمن کے ٹروپس کو سنبھلنے میں مشکل ہو رہی تھی پھر بھی کارٹلینڈ نے اپنی بٹالین کو پیش رَفت جاری رکھنے کا حکم دیا اور ساتھ ہی ساتھ اِس طرح آگے بڑھنے کے لیے کہا کہ کسی کو اُن کی نقل و حرکت کا اِحساس نہ ہو۔ اپنی مایوسیوں کو اُمید کا سہارا دیتے ہوئے اُس نے تسلی رکھی کہ کمپنی کے افسران کی سرکردگی میں وہ قدرے ہمت اور جرأت کا مظاہرہ کریں گے جو کہ پہلے سے ہی ایک خطرناک چوکی پر موجود تھے۔ لیفٹیننٹ کُوئن نے خشک ندی کے پاٹ میں پاؤں رکھا ہی تھا کہ دفاع کاروں کی بندوق سے نکلا ہوا ایک خالی راونڈ شاٹ اُس کی چھاتی پر آ لگا جیسے کسی نے آلو کی بوری میں خنجر اُتار دیا ہو۔ قریب تھا کہ وہ مر جاتا مگر بعد کی اطلاعات سے پتہ یہی چلا کہ سخت جان کُوئن معمولی زخمی ہونے کی وجہ سے نہ صرف بچ نکلا تھا بلکہ ضرورت کے مطابق آرام کرنے کے بعد اگلے مورچوں پر آگے بڑھ بڑھ کر اپنی پوزیشن کا دفاع بھی کرتا رہا۔ اِس جواب الجواب کارروائی میں بالآخر وہ مقام آ گیا جہاں ملتانی دستوں نے قدم بہ قدم حرکت جاری رکھتے ہوئے دُشمن کو ندی کے دوسرے کنارے پر جا لیا۔ جہاں پر گُتھم گُتھا فائرنگ، سنگین بازی، خَدنگ و خِشت باری حتّٰی کہ ہاتھا پائی اور مار کٹائی بھی ہوئی۔

عین اُس وقت جب توقع تھی کہ دُشمن نیست و نابود ہو جائے گا، کرنل کارٹلینڈ کا

اضافی دستہ، جس کا انتظار تھا، اپنے شکست خوردہ دستوں سے آن ملا اور جنگ کا توازن بگڑنے لگا۔ اب تک نامساعد حالات کے باوجود ڈٹ کر دشمن کا مقابلہ کرنے والے ملتانی دستے یکے بعد دیگرے جانی و مالی خسارے سے دوچار ہونے لگے۔ اِس سے پہلے کہ اُن کا نقصان ایک خاص حد سے بڑھتا، اُنہوں نے پیچھے ہٹنے میں ہی عافیت جانی اور گھنٹہ بھر گھمسان کی لڑائی کے بعد وہ اپنے عقب میں سرکنے لگے مگر کچھ وقت لے کر مزید قوت جمع کرنے کے خیال سے دُشمن نے بھی اَپنے سابقہ مورچوں تک پسپائی اختیار کرنے میں ہی بہتری سمجھی۔ اِسی طرح ملتان کی افواج بھی واپسیں اپنے محاذ پر آ کر نئی حکمت عملی پر غور کرنے لگیں۔

دو چار گھنٹوں کے بعد جب میدانِ جنگ سے خاک اور دھوئیں کے بادل چَھٹنے لگے تو اِتحادی افواج کو میجر فریڈرک مرکھم کی، سیکنڈ انفینٹری کمان میں ایک اور کرائے کا دستہ مدد کو آتا ہوا دکھائی دیا۔ میجر مرکھم اَدھیڑ عمر کا ایک تجربہ کار فوجی افسر تھا جو برطانیہ کی ایک دو اور کالونیوں میں بھی اپنی عسکری خدمات فراہم کر چکا تھا اور ملتانی محاصرے کے بعد انڈیا میں ایڈجوٹنٹ جنرل بھی رہا۔ اُس کی کمان میں آنے والا دستہ تھوڑی ہی دیر میں ندی عبور کر کے مشرقی کنارے پر ذرا طویل راستہ اختیار کر کے کھلے میدان میں کسی بھی خطرے سے آزاد محسوس کرتے ہوئے رواں دواں تھا۔ اچانک ایک گھڑ سوار سپاہی نے دوڑ کر اُنہیں منظّم ہونے کو کہا۔ وہ ہرگز یہ توقع نہیں کر رہے تھے کہ ملتانی سپاہ مسلسل اُن کی حرکات و سکنات پر نظر رکھے ہوئے تھی۔ میجر مَرکھم کے دستوں کا ہدف پر آنا ہی تھا کہ بلا تاخیر اُنہوں نے دَھنا دھن گولے داغنا شروع کر دیے۔ ذہنی طور پر نسبتاً ریلیکس برطانوی اِتحادی دستے اپنی پناہ گاہوں کی طرف لپکے اور جوابی کارروائی کے لئے اپنی گنیں سیدھی کیں۔ اونچی جگہ پر ٹھہرے ہونے کی وجہ سے اب وہ جوابی کارروائی کرنے کے لیے بہتر پوزیشن میں تھے۔ بہت جلد نہ صرف وہ

واپسی فائر کرنے لگے بلکہ ملتانی مزاحمت کاروں کی محدود تعداد اور محدود اسلحے کو بھانپتے ہوئے سنگینیں تان کر آگے بھی بڑھنے لگے اور جلد ہی ملتان کے محدود دستے اپنی جگہ چھوڑ کر منتشر ہونے لگے بلکہ اُن کی پانچ میں سے چار توپیں بھی دُشمن کے ہاتھ لگ گئیں۔

مگر جاتے جاتے ایک جواں سال سپاہی اِکرام حسین [6] نے تاک کر مرکھم کے جسم کا ایسا نشانہ باندھا کہ وہ گھوڑے سمیت پٹخنیاں کھاتے ہوئے کئی فٹ دور جا گرا۔ خیال تھا کہ دونوں ملکِ عدم کو سُدھار گئے ہیں۔ مگر سخت جان گورا کسی طرح گلا بازی کھا کر اپنے گھوڑے کی اوٹ میں آ گیا تھا جس سے وہ قدرے زخمی ضرور ہوا تھا مگر اُس کی جان بچ گئی تھی۔ لیکن ہدف کے سامنے ہونے کی وجہ سے اُس کا گھوڑا درجنوں گولیاں اپنے دبیز پیٹ پر برداشت کرنے کے بعد خون میں لت پت ہو گیا اور جلد ہی اُس کی آنکھیں پتھرا گئیں۔ یہ محض اِتفاق تھا یا نشانچی کی حکمتِ عملی کہ ملتانی سپاہیوں کی اندھا دھند واپسیں فائرنگ سے میجر جنرل ویہلر اور اُس کا گھوڑا بھی شدید زخمی ہو گئے تھے۔ بعینہ اُس کا گھوڑا بھی موقع پر ہی جاں بحق ہو گیا تھا۔ ساتھی اٹھا کر اُسے کیمپ میں لے گئے اور مرہم پٹی کی۔ مرکھم کے برعکس جان بر ہونے میں اُسے کئی ہفتے لگے۔

مجموعی طور پر اِس محاذ پر جنگ کا توازن کم وبیش برابر ہی رہا تھا، دونوں افواج کا اچھا خاصہ نقصان ہوا اور اگر تعداد اور اسلحے کے پیمانے پر پرکھا جائے تو ملتانی سپاہ نے اپنی کم تعداد اور محدود اسلحے کے باوجود وہ کر دکھایا جو بعض اوقات بڑی سے بڑی افواج بھی نہیں کر سکتیں۔ البتہ کمپنی بہادر کے تنخواہ دار جنرل، میجر اور بریگیڈیئر خوش اور مطمئن تھے کہ رفتہ رفتہ ہی سہی مگر وہ کامیابی سے ہمکنار ہو رہے تھے۔ آج کے روز برطانوی اتحادیوں کے تین جبکہ ملتانی افواج کے تقریباً پندرہ افراد جان سے گئے تھے اور کُل چھ میں سے اُن کی پانچ توپوں کو

6۔ یہ نام افسانوی ہے مگر واقعہ حقیقی ہے۔

بھی ہتھیا لیا گیا تھا۔ البتہ گزشتہ پورے ہفتے کا اگر جائزہ لیا جائے تو کمپنی کے برطانوی فوجیوں اور اُجرتی دستوں کا بھی بھاری بھرکم نقصان ہوا تھا جس میں تقریباً 76 فوجی مارے گئے تھے اور 316 بُری طرح زخمی ہوئے تھے۔ پھر بھی وہ سات دن کی مسلسل قتل وغارت کے بعد تسلی میں تھے کہ کم از کم تا حال خطرہ ٹل گیا تھا۔ افسوس کی بات یہ تھی کہ مارے جانے والے زیادہ تر مقامی طور پر ریکروٹ کئے گئے ناتجربہ کار فوجی تھے۔

ملتان کی فوج بھی کوئی منظّم اور مرکزی قیادت نہ ہونے کی وجہ سے کافی ضرر اٹھا چکی تھی، مولراج کی حیثیت، جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے، اب واجبی اور علامتی رہ گئی تھی، اِس لیے اُنہیں سخت افسوس تھا کہ سات دن کی اس شاندار کارکردگی کے باوجود نتیجہ کچھ زیادہ تسلی بخش اور حوصلہ افزا نہیں نکلا تھا۔ پانچ توپوں اور کچھ بندوقوں کے دُشمن کے ہاتھ لگ جانے کی وجہ سے اُن کے پہلے سے ہی کم اسلحے میں مزید کمی آ گئی تھی۔ جبکہ اُدھر برطانوی فوجی افسر اور جوان اپنے سپاہی گنوانے سے بے نیاز (شاید اس لیے بھی کہ زیادہ تر مقامی افراد کی جان گئی تھی) ایک دوسرے کو مبارکباد دیے جا رہے تھے۔ البتہ اُنہیں میجر مرکھم کے گھوڑے کے مارے جانے اور ویہلر کے گھوڑے کے زخمی ہونے کا بہت رنج تھا۔ کیونکہ ایسے عالی شان گھوڑے انہیں آسانی سے میسر ہونے والے نہیں تھے جبکہ ویہلر اب بھی زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے مسلسل کراہے جا رہا تھا۔

اِسی صورتِ حال میں سورج کُنڈ کے اطراف میں ندی کنارے یہ لڑائی اختتام پذیر ہوئی۔ مگر ظاہر ہے کہ یہ فیصلہ کن لڑائی نہیں تھی۔ ابھی ہر دو جانب ایک دوسرے کو زیر کرنے کی کوشش اور خواہش باقی تھی اور یہ محض ماندگی کا وقفہ تھا۔ ملتان کی تھکی ماندی افواج قلعے کی طرف لوٹ گئیں۔ لیکن اُنہوں نے ہمت اور حوصلہ نہیں ہارا اور شہر کے گرد ونواح سے مزید رضا کار اور مزید سپاہی ڈھونڈنے میں جُت گئے اور ساتھ ہی ساتھ اُنہوں نے مزید بند

بنانے اور کچھ خندقیں کھودنے اور قلعے کے کمزور حصوں کی مرمت بھی جاری رکھی اور قلعے کی بیرونی دیوار اور کھلے میدان کے درمیان خندق کھود کر اس میں ولی محمد نہر کے ذریعے پانی چھوڑ دیا گیا۔ اُدھر مُولراج نے اب ایک طرح سے اپنے آپ کو قلعے میں محصور کر لیا تھا۔ لیکن اُس نے قلعے کے اردگرد اور نواحی آبادی میں اپنے محافظ اور جاسوس اِس طرح مقرر کئے کہ انگریزی افواج اور اُس کے بھیجے ہوئے ٹوہ باز، قلعے یا اُس کے ذاتی ٹھکانوں کے بارے میں زیادہ معلومات نہ حاصل کر سکیں۔ جو کوئی ایسا کرتا موت اُس کا مقدر ٹھہرتی۔

دوسری طرف اپنے اپنے پڑاؤ پر اب دونوں افواج نئی محاذ آرائی کی تیاریوں میں مصروف تھیں۔ قلعے کے اندر لہو گرم رکھنے کے بہانے سپاہیوں نے گھڑ دوڑ، رسہ کشی، تیر اندازی، نشانہ بازی اور کلہاڑا اندازی جاری رکھی۔ اُنہیں معلوم تھا کہ خالصہ اتحادیوں اور گوروں کا اگلا ہدف قلعہ کُہنہ ملتان تھا کیونکہ صدیوں سے ایستادہ یہ کوہ صفت قلعہ دشمنوں کو اپنی استقامت اور مقاومت کے سامنے ڈھیر کرتا رہا تھا اور گزشتہ دہائی میں سانول مل کی مسلسل تعمیر و مرمت سے قلعے کی پامردی میں مزید اضافہ ہو چکا تھا۔ شاید اِسی احساس کی بنیاد پر اِتحادی افواج کے انجینئر قلعے کے کمزور ترین مقامات کا اپنے تئیں جائزہ لے رہے تھے اور ساتھ ہی ساتھ قلعے پر چڑھائی کرنے کے لئے گردونواح میں چھوٹے بڑے مورچے اور مٹی کی ڈھالیں بھی کھڑی کر رہے تھے۔

☆☆☆

چھٹا باب

جوگ مایا اور سورج کُنڈ پر کشت و خون

برطانوی ایسٹ انڈیا کمپنی کی فوج اور اُس کے اتحادیوں نے اِس (غالباً موجودہ پُل موج دریا سے بہنے والی) نہر کے اردگرد تقریباً تیس چالیس توپیں نصب کر دیں۔ لیفٹیننٹ لیک کے ٹروپس نے دائیں کنارے اور لیفٹیننٹ ایڈورڈز کے ٹروپس نے بائیں کنارے اپنے قدم جما لیے جبکہ عقبی جانب اُنہوں نے گھڑسواروں کے زیرِ نگرانی اپنے تحفظ کا بندوبست کیا جن کے پیچھے غیر ہموار بُھربُھرا میدان اور کھیتی باڑی کے لئے کچھ نالے کھالے تھے۔ اِتحادی افواج نے اپنی دھاک بٹھانے کے لئے کچھ خالی گولے فضا میں داغے۔ لیکن ابھی وہ خود سنبھلنے ہی نہ پائے تھے کہ گولیوں کی ایک بوچھاڑ اُن کے دستوں کو چیرتی ہوئی نکل گئی۔ اُنہیں خبر ہی نہ ہونے پائی کہ کہاں سے ملتان کے ہوشیار دَستوں نے اُن پر حملہ کر دیا تھا۔ وہ ششدر اور سراسیمہ اپنے دفاع کے لئے ہڑبڑا کر آگے بڑھے۔ مگر فوراً ہی مسکیٹری کی مسلسل اور یکمُشت فائرنگ کی زد میں آ گئے۔ کچھ ہی دیر میں ایڈورڈز اور لیک نے مزید دستوں اور گھڑسواروں کو آگے بڑھ کر اَندھا دُھند فائرنگ کا اشارا کیا۔ جواب میں نسبتاً زیادہ گولہ بارود اور بندوقیں ہونے کی وجہ سے ملتانی سپاہ کا بہت نقصان ہوا اور اُنہیں واپسی کی راہ لینی پڑی۔ مجموعی طور پر آٹھ دَس اِتحادی اور کوئی پچیس تیس کے قریب ملتانی سپاہی مارے گئے یا شدید زخمی ہو گئے۔ دراصل ہوا یوں کہ مَتی تل سے کچھ پہلے جنرل وہش نے بھی اپنا کیمپ لگا رکھا تھا اور اُنہوں نے ملتان کے سپوتوں کو درمیان میں ہی دبوچ لیا جس کے لئے وہ ذہنی طور پر تیار نہیں تھے اور اِس ناگہانی کُشتگانی نے بھی اُنہیں ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا جبکہ دشمن کی فوج ایک یقینی شکست سے بچ رہی۔

19 اگست 1848ء کو جنرل وہش کے دستوں نے دو کالموں میں ملتان پہنچ کر قلعہ کے شمال مشرق میں سیتل ماڑی پر اپنے خیمے فائرنگ رینج سے ذرا دُور نصب کئے۔ کچھ اِکا دُکا شاٹس یہاں تک بھی پہنچے لیکن فاصلہ زیادہ ہونے کی وجہ سے بے اثر رہے۔ جنرل وہش کی کمان میں اَسلحہ بردار دو گھڑ سوار دستے اور گھڑ سواروں کا ایک رسمی اور ایک غیر رسمی دستہ، خندقیں اور پُلیں بنانے اور مرمت کرنے والے انجینئرز اور مزدوروں کا ایک بینڈ اور چار مقامی پیادہ دَستے شامل تھے۔ اِس کے علاوہ اسلحہ رسد کا ایک چھوٹا بحری جہاز بھی فیروز پور سے بہاولپور تک دریائے ستلج کے بندشی گھاٹ کے ذریعے آن پہنچا جس میں بیسیوں بندوقیں، بارہ چھوٹے بڑے گولے، چھ ہاوزرز اور بہت سا اور عسکری سامان شامل تھا۔ جنرل وہش کے دستوں میں بھاڑے پر لئے گئے تنومند جوان اور کچھ تربیت یافتہ مرد بھی شامل تھے۔ تمام تر رَسد وصول کرنے اور میدانِ جنگ کا مکمل جائزہ لینے کے بعد جنرل وہش نے اپنے دستوں کو پہلے سے موجود برطانوی دستوں میں شمولیت اختیار کرنے کا حکم دیا۔

یکم ستمبر 1848ء کو ضمنی دستے نے بھی سورج کُنڈ کے قریب ولی محمد نہر پار کی اور پہلے سے موجود دستوں کے ساتھ میدان میں اپنی پوزیشن سنبھال لی۔ کچھ دستے نہر کے مغرب میں رہے اور کچھ شمال مشرق میں منظّم ہو گئے۔ تقریباً آٹھ بجے صبح، کھجوروں اور آموں کے باغات اور کچھ چھوٹی بڑی بستیوں میں سے گزرتے ہوئے اُنہوں نے قلعۂ ملتان کی طرف مارچ کیا۔ مگر ملتان کے چاک و چوبند سپاہیوں نے گھات لگا کر دشمن کو راستے میں ہی گھیر لیا جس کے نتیجے میں اُن کے کئی دستے تتر بتر ہوئے مگر پھر بھی خاطر خواہ نقصان سے بچ رہے۔ کیونکہ لیفٹیننٹ پولاک کی سرکردگی میں مارچ کرنے والے سپاہی جلد ہی سنبھل گئے تھے۔ لیکن اِس کے باوجود اُن کو یہ اندازہ نہ ہو سکا کہ تھوڑے ہی فاصلے پر ملتانی سِپاہ آموں کے باغات میں مورچہ بند تھی جس نے کچھ وقت کے بعد دُشمن پر یکا یک

توپچیوں کے فائر کھول دیے۔ دوسری طرف ملتان کے عام شہری بھی وَطن کے دِفاع میں شامل ہو گئے۔ کئی گھنٹوں تک دوطرفہ فائرنگ جاری رہی۔ تقریباً دو بجے کے قریب میدان میں لڑنے والی رسمی سپاہ نے محبِّ وطن شہریوں کے ساتھ مِل کر ایک مضبوط دفاعی لائن بنا لی۔ دُشمن نے جوگ مایا پر پوزیشن سنبھال کر آس پاس کے گاؤں اور باغات میں توپیں نصب کر لیں اور پھر شام تک بلکہ رات بھر دیوانہ وار خاموشی رہی۔

البتہ 2 ستمبر 1848ء کو دشمن دوبارہ قلعہ بند شہر کی طرف عازمِ سفر ہوا جسے پہلے محاصرے کی جانب پہلا قدم قرار دیا جا سکتا ہے۔ تاہم نہ تو یہ فاصلہ کم تھا اور نہ ہی ملتان کے جی دار جوان بے خبر تھے۔ کئی بار اُنہوں نے دشمن کے مورچے اور خندقیں برباد کیں اُور انہیں ایک محفوظ فاصلے تک روکے رکھا۔ چھوٹی چھوٹی لڑائیاں اب نواحی بستیوں سے نکل کر بڑے معرکے کی طرف بڑھنے لگی تھیں۔ لیکن یہ پسپائی اور پیش رفت دشمن کے لئے نہایت کٹھن رہی۔ ہر چند کہ مزاحمت کارانِ ملتان کا اِس میں کچھ نقصان ہوا لیکن خالصہ لشکر اور انگریزی افسران کو بھی بھاری جانی اور مالی نقصان سے دوچار ہونا پڑا۔ سپاہِ ملتان گھروں، بستیوں، مساجد اور مندروں میں بھی مورچہ بند ہو کر لڑتی رہی اور آگ اور خون کا یہ کھیل کئی دن تک جاری رہا۔

7 ستمبر 1848ء تک اِتحادی فوج رام تیرتھ پر کسی حد تک اپنا قبضہ جمانے میں کامیاب ہو گئی۔ ''مندر رام تیرتھ قلعہ کہنہ کے سکھی دروازے سے مشرق میں نکلنے والے ایک راستے پر چند میل دور موجودہ سیتل ماڑی کے قریب واقع تھا۔''[7] ملتانی سپاہ کے درجنوں لوگ زخمی ہوئے اور کچھ واصل بحق بھی، مگر تھوڑے بہت فرق سے گوروں کے بھی کئی جنگجو زخمی ہوئے، کم از کم نصف درجن افسران مارے گئے اور لیفٹیننٹ این آئی ڈریو بے طرح زخمی ہو گیا۔ لڑائی کے عین عروج پر لیفٹیننٹ رچرڈسن کی کایاں آنکھ نے ایک گھر سے شدید

7۔ احمد رضوان نے قدیم ملتان کے درجن بھر، ہندوؤں کے نزدیک انتہائی مقدس، مندروں کا مختصر جائزہ لکھا ہے جو پڑھنے کے لائق ہے۔ ان میں سے ایک مندر رام تیرتھ کا بھی ہے جسے ہندو اہم اور مقدس مندر مانتے ہیں۔

فائرنگ ہوتی ہوئی نوٹ کی جو اُن کے دَستوں کو بے انتہا زک پہنچا رہی تھی۔ وہ بچتے بچاتے تیزی سے اُس گھر میں دراندا ز ہو گیا اور قریب سے حملہ آوران کو نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ جب اُسے محسوس ہوا کہ مورچہ بند سپاہی عنقریب اُسے گولیوں سے بھون ڈالیں گے تو اُس نے آگے بڑھ کر اپنی تلوار ایک مزاحمت کار سِکھ کے سینے میں گھونپ دی اور اُس کے مرتے ہوئے بدن کی اوٹ میں بڑی ڈھٹائی سے باہر نکل آیا۔ میجر جنرل مرکھم بھی جان لیوا زخموں سے تڑپ رہا تھا جبکہ لیفٹیننٹ وِلموٹ کرسٹوفر شدید زخمی ہو گیا تھا۔

9 ستمبر 1848ء کو ملتانی دفاع کاروں کی فائرنگ سے اُس کا ٹخنہ چارپائی کے پائے کی طرح اُکھڑ گیا تھا۔ زخم اتنا بڑھا کہ دو تین ہفتوں کے اندر اُس کی ٹانگ جاتی رہی اور وہ اکتوبر کے شروع میں ہی گہرے گھاؤ سے تڑپ تڑپ کر ملکِ عدم کو سدھار گیا۔ چھٹی کمپنی کی بہتّرویں نیٹو انفینٹری کمان کے کیپٹن لائیڈ نے بھی ایسے کاری زخم کھائے کہ وہ بھی چند دِن آہ و بکا کرتے کرتے آخرت نصیب ٹھہرا۔ دراصل فائرنگ کے تبادلے کے دوران مزاحمت کاروں کا ایک ٹوٹا ہوا دستہ آگے بڑھا۔ لائیڈ کے وفادار بھی آگے بڑھ کر حملہ کرنے ہی والے تھے کہ وہ اونچی آواز میں بولے:

''ہم نواب بہاول خان کے آدمی ہیں۔''

لائیڈ نے اپنے آدمیوں کو ایک لمحے کے لئے روکا لیکن آن کی آن میں سپاہیوں نے لائیڈ اور اس کے آدمیوں کا بھُرکس نکال دیا۔ وہ نواب بہاولپور کے آدمی نہیں تھے بلکہ دفاع کاروں نے لائیڈ کے دستوں کو ٹھکانے لگانے کے لئے چال چلی تھی۔

12 ستمبر 1848ء کو جوگ مایا پر ہی ایک اور گُھمسان کی لڑائی ہوئی۔ دونوں طرف سے شدید فائرنگ کے بعد خوفناک گتھم گتھا تلوار بازی اور سنگین بازی شروع ہو گئی۔ لڑائی میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش میں مزاحمت کاروں کے بیسیوں فدائین

نے جان، جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔ مگر دُشمن کے بھی کئی افسران، خالصہ سپاہی اور کچھ غدار بھی مارے گئے جن میں اُن کے تئیس کارکنان اور ڈیڑھ سَو کے قریب گھاتک گھاؤ کھانے والے عسکری بھی شامل تھے۔ کرنل پاٹون اور میجر مورٹیز مبرٹ نے بھی اَوّلے زخم کھائے۔ لیفٹیننٹ کیوٹل اور فوجی سپاہی ٹیلر بھی خون تھوکتے تھوکتے مر گئے۔ علاوہ ازیں کوئی تیرہ مزید افسران بھی فتحِ ملتان کا خواب دیکھتے دیکھتے اپنے عبرت ناک انجام کو پہنچے۔

SIKH ARMS AND COLOURS

اِتنا بہت سارا جانی اور مالی نقصان اٹھانے کے بعد اِنگلیسی کمپنی کے رنگروٹ اور کمانڈر اب نڈھال ہو چکے تھے۔ اُن میں سے کئی ایک اپنے مورچے چھوڑ کر بھاگ گئے۔ کچھ مقامی سپاہی ویسے ہی رات کے اندھیرے میں اپنے گھروں کو کھسک گئے۔ خندقوں میں چند ایک جوان جو باقی رہ گئے تھے، تھکاوٹ سے ہی مرنے لگے تھے۔ کیونکہ اُن میں سے زیادہ تر اڑتالیس اور کچھ بہتّر گھنٹوں سے موت کی راہداریوں میں بھوکے پیاسے اِدھر سے اُدھر اور اُدھر

سے اِدھر اپنی اپنی بندوقوں کا بوجھ اٹھائے جنونیوں کی طرح ہر طرف فائر پھینک رہے تھے۔ خالصہ اِتحادی اور مقامی غدار بھی جارح انگریز کی معیّت میں اپنا دفاع اور ملتانی افواج کی سیسہ پلائی ہوئی دیوار کو گرانے کی کوشش میں اَدھ موئے ہو چکے تھے۔ ملتانی سپاہیوں کے گولا بارود، زمبوروں اور متواتر فائرنگ سے کئی بار اُن کے کیمپوں میں آگ بھڑک چکی تھی اور بیسیوں لوگ اپنے دست و بازو ناکارہ کروا چکے تھے۔ سینکڑوں جانیں گنوانے اور بے پناہ مصائب بھگتنے کے باوجود بھی ہزاروں جنگجو انگریز کمان کے نیچے دھیرے دھیرے قلعہ کی طرف پیش قدمی کر رہے تھے۔ کئی ایک غلط راستے اور غلط حزب و اطراف چُننے کی بنا پر راستہ بھول بیٹھے اور تلملاتے ہوئے موت کے عمیق گڑھوں میں جا گرے۔

توقع سے زیادہ مدِ مقابل فوج کی پامردی اور اِستقامت اور اپنی افواج کی ہدف سے کمزور ہمتی اور قریب از مرگ تھکاوٹ دیکھ کر جنرل وِش کے ہاتھ پاؤں پھولنے لگے۔ اُسے خدشہ تھا کہ تھکاوٹ اور کمخوابی کے مارے جلد ہی اُس کے سپاہی بے ہوش ہو ہو کر مر جائیں گے۔ جبکہ ملتانی سپاہی، عام شہری اور غیر تربیت یافتہ مرد و جوان بِڈی دَل کی طرح اپنی مٹی کا دفاع کرنے کے لئے اُمڈے چلے آ رہے تھے۔ اِسی دوران مُولراج کا ساتھ دینے کے لئے بھائی مہارات سنگھ کی سرکردگی میں ایک لڑاکا جتھا ملتانی سپاہ کی مدد کے لئے روانہ ہوا لیکن خالصہ دربار کی ریگولر فوج نے چناب کنارے گویا اپنے ہی لوگوں کی پیٹھ میں خنجر گھونپ دیا جس میں مہارات سنگھ کے زیادہ تر لشکری یا تو مارے گئے یا پھر دریا میں ڈوب کر ہلاک ہو گئے۔ نتیجتاً عام سکھ اور ملتانی عوام میں خالصہ دربار اور انگریزوں کے خلاف غم و غصہ مزید بڑھ گیا اور وہ مزاحمت پر ڈٹ گئے۔

ماضی قریب یعنی 1846ء میں پہلی اینگلو سکھ جنگ کے دوران دریائے جہلم کے نزدیک چلیانوالہ کے مقام پر چھتر سنگھ اٹاری والا اور اُس کا بیٹا شیر سنگھ اٹاری والا، باوجود

ایسٹ انڈیا کمپنی کی مجموعی فتح کے، کمپنی اور اُس کے بہت سے افسران کے دانت کھٹے کر چکے تھے۔ یہ دونوں افراد اب بالراست محاصرۂ ملتان میں بھی شامل تھے۔ ریذیڈنٹ لاہور، فریڈرک کُری نے، کینہ رکھنے کے باوجود، اُنہیں ایک سوچی سمجھی چال کے تحت وقتی طور پر معاف کر دیا اور یہ ظاہر کیا کہ دو برس پہلے چلیانوالا میں ہونے والے کشت و خون کی بابت وہ باپ، بیٹا دونوں سے کوئی رَدوکد نہیں رکھتا۔ دراصل وہ نہیں چاہتا تھا کہ جانباز شیر سنگھ اور اُس کا باپ چھتر سنگھ، مُولراج کے دست و بازو بن کر ملتانی سپاہ کو مزید تقویت فراہم کریں۔ تاہم کمپنی سرکار کی طرف سے اُن کی جائیداد کی ضبطی، اور تیج کور (چھتر سنگھ کی بیٹی اور شیر سنگھ کی بہن) کی مہاراجہ دلیپ سنگھ کے ساتھ شادی کے وعدے کو پایۂ تکمیل تک نہ پہنچانے کے سبب باپ بیٹا دونوں انگریز سرکار سے معاندانہ رویہ رکھے ہوئے تھے۔ اِس لئے وہ ملتان کی باغی سپاہ کا حصہ بننا چاہتے تھے۔ مگر مُولراج اور اُس کے دستوں کو شیر سنگھ اور چھتر سنگھ اٹاری والا کی وفاداری پر مسلسل شبہ رہتا تھا یا کچھ اِطلاعات کے مطابق محاصرے سے پہلے اُسے خالصہ سرکار کی طرف سے ہی باپ بیٹا دونوں پر نظر رکھنے کی ہدایت کی گئی تھی۔ (۲۹)

شیر سنگھ، رنجیت سنگھ کے کمسن بیٹے اور کٹھ پُتلی مہاراجہ دلیپ سنگھ کا ہونے والا سالا تھا جبکہ چھتر سنگھ، دلیپ سنگھ کا ہونے والا سسر، مگر دلیپ سنگھ کم عمر، ناتجربہ کار اور بے اختیار ہونے کی وجہ سے ویسے ہی کوئی سیاسی یا سماجی فیصلہ کرنے کے قابل نہیں تھا اور انگریزوں کی نگرانی میں نہ ہی اُسے کوئی سیاسی عقل و فہم یا تجربہ حاصل کرنے دیا گیا تھا۔ دوسرا وہ اپنی ماں رانی جنداں کور کی جبری بنارس جلا وطنی کے بعد اب سوائے چھتر سنگھ اور شیر سنگھ کے علاوہ کسی سے کوئی مشورہ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ بظاہر لاہور دربار میں اثر و رسوخ کے باوجود اُن کی وفاداری پر کمپنی کی قیادت اور لاہور دربار دونوں کو ہی شبہ رہتا تھا۔ پشاور میں جنرل لارنس اور ایبٹ آباد ہزارا میں اُس کا ڈپٹی، جیمز ایبٹ [8]، اٹاری والا پریوار کے کافی قریب تھے مگر اِس قرابت میں باہمی سیاسی مفادات اور شک کی سیاہی بھی شامل تھی۔ (۳۰)

8۔ وہی جیمز ایبٹ جس کے نام پر ایبٹ آباد ہے۔

13 ستمبر کو شیر سنگھ، رات کو ایڈورڈز اور کارٹلینڈ کی ڈنر ٹیبل پر بات چیت کے لئے گیا اور ایڈورڈز کی ساتھ والی نشست پر بیٹھ گیا۔ یہ دیکھ کر وانس کارٹلینڈ ناگواری سے اُٹھ کر باہر چلا گیا۔ کچھ ہی دیر میں شیر سنگھ کو محسوس ہوا کہ اُس کا ٹینٹ گھیرے میں لیا جا رہا ہے۔ اپنے قتل یا گرفتاری کی سازش بھانپتے ہوئے وہ فوراً ہی وہاں سے فرار ہو گیا۔ اپنے باپ کی رائے مطابق انگریز سرکار کی ریشہ دوانیوں کو سمجھتے ہوئے اگلے روز ہی اُس نے کمپنی کا ساتھ چھوڑ کر مزاحمت کارانِ ملتان کے دستوں میں شریک ہونے کے لئے مولراج کو اپنی حمایت کا یقین دلانے کی بھرپور کوشش کی، ایلچی بھیجے، خطوط لکھے، مگر بے سود، وہ کوئی تین ہفتے یہی کوشش کرتا رہا مگر مُولراج نے ہرگز اُس پر بھروسہ نہ کیا۔ کیونکہ درپردہ ایک خود ساختہ خط کے ذریعے، جو کارٹلینڈ نے خود ہی لکھ کر اور ڈرامہ کر کے ایک ڈبل ایجنٹ کی معرفت (جسے وہ بھانپ چکا تھا) خود ہی مولراج کے ہاتھ لگوایا تھا۔ اِس خط کو پڑھتے ہی مولراج کا یقین پختہ ہو گیا کہ شیر سنگھ دھوکے سے اُسے قتل کرنا چاہتا ہے۔ اِس لئے مُولراج نے باوجود شیر سنگھ کی سچائی کے، اُسے اپنی کمان میں نہ آنے دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اب ناقابل واپسی دیر ہو چکی تھی اور شاید یہ مولراج کی بہت بڑی غلطی اور سازش کار انگریز کی بہت بڑی کامیابی تھی۔

اِسی اثنا میں اُسے اپنے باپ چھتر سنگھ کا خط بھی ملا جس میں اُس نے شیر سنگھ کو ہدایت کی کہ ''تم لیفٹیننٹ ایڈورڈز سے کہو کہ وہ اُس کی بیٹی کی مہاراجہ دلیپ سنگھ سے شادی کا حسبِ منصوبہ اور حسب وعدہ بندوبست کروائے'' تاکہ دلیپ سنگھ کی (دوسرے لفظوں میں اٹاری والا خاندان کی) پنجاب میں حکمرانی کا راستہ ہموار ہو سکے اور اِسی امید پر ہی باپ بیٹا اب تک انگریز اور خالصہ دربار کا ساتھ دیتے رہے تھے۔ دِلی سے ریذیڈنٹ سر تھامس مِٹکلف [9] کا جواب آیا کہ:

9۔ سر تھامس تھیوفالس مٹکلف 1842ء سے 1853ء تک دلی میں گورنر جنرل کا ایجنٹ تھا۔ جبکہ وہ 1842ء سے 1844ء تک مغل دربار یعنی بہادر شاہ ظفر کا نام نہاد نمائندہ بھی تھا۔

''اس سلسلے میں وہ دربار سے مشورہ کرے گا لیکن ساتھ ہی اُس نے یہ بھی لکھ دیا کہ اِس شادی سے ریذیڈنٹ کے دلیپ سنگھ کو پنجاب راج واپس کرنے کے وعدے پر کوئی فرق نہیں پڑے گا، اس لئے وہ تسلی رکھے۔''

ایک عرصے تک اٹاری والا خاندان اس واہمے کا شکار تھا کہ گُرو گوبند سنگھ کی ساکھی (پیشین گوئی) کے مطابق دلیپ سنگھ نامی فرد مہاراجہ رنجیت سنگھ کی اَمپائر دوبارہ کھڑی کرے گا۔ انگریز دوستی کے کارن اور سُجان سنگھ نامی ایک سکھ کے شیر سنگھ کو زہر دینے کے شُبے میں اُسے توپ سے اُڑا دینے کے باعث بھی عام سکھ اور مُولراج پہلے ہی اٹاری والا خاندان پر اپنا بھروسہ تَرک کر چکے تھے اور اُنہیں یقین تھا کہ انگریز سکھوں کو پنجاب کی حکمرانی واپس کرنے کا وعدہ کبھی پورا نہیں کریں گے۔ حقیقت میں سکھ سردار اپنے مفادات، باہمی پھوٹ اور خالصہ فوج کے بے پایاں اختیارات کو ضبط میں رکھنے کی خاطر بھی ریذیڈنسی کا راج قائم رکھنے کے خواہش مند تھے، حتیٰ کہ مہارانی جِنداں کو بھی منہ زور خالصہ فوج کو لگام ڈالے رکھنے کے لئے کچھ عرصے بعد اِسی نتیجے پر پہنچی تھی اور کمپنی بہادر کی توسیع پسندی اور خالصہ کی باقیات کے خاتمے میں شریکِ کار ہو گئی تھی۔ جبکہ عوام کمپنی بہادر کی ثالثیت اور تیزی سے بڑھتی ہوئی طاقت کے خلاف تھی۔

اُدھر چھتر سنگھ شمال مشرق میں ہزارا کے علاقے میں موجود تھا جہاں کا ڈپٹی کمشنر جیمز ایبٹ اُس سے ڈبل گیم کر رہا تھا اور وفاداری کے باوجود اُس کی رتی برابر عزت باقی نہیں رہنے دی تھی۔ بلکہ اُس نے وہاں کے قبائلیوں کے ذریعے اُسے قتل کروانے کی کوشش بھی کی۔ جب چھتر سنگھ نے ہری پور قلعے میں موجود ایک امریکی 'کرنل کینورا' سے پناہ کی درخوست کی تو نہ صرف اُس نے انکار کیا بلکہ اُسے اور اُس کے آدمیوں کو توپ کے نشانے پر رکھ لیا۔ کسی سبب توپ نہ چلنے پر وہ اور اُس کے آدمی بچ گئے اور پھر طیش میں آ کر چھتر سنگھ

کے لوگوں نے کینورا کی گردن اُڑا دی۔ جیمز ایبٹ کو چھتر سنگھ کو ذلیل اور رُسوا کرنے کا ایک اور موقع ہاتھ آ گیا۔ کیپٹن نکلسن نے، جو بظاہر جیمز ایبٹ اور چھتر سنگھ میں صلح کرانے آیا تھا، اُلٹا چھتر سنگھ کی جائیداد قرق کرا دی۔ چھتر سنگھ نے، جو اَب کافی ضعیف اور کمزور نظر ہو چکا تھا، انگریزوں کے ہاتھوں رسوا ہونے کے بعد ایک بار پھر شیر سنگھ کو لکھا مگر اِس بار انگریزوں سے اپنی بیٹی کی دلیپ سنگھ سے شادی کی درخواست کرنے کے لئے نہیں بلکہ اپنی آنکھیں کُھل جانے کے باعث اُسے انگریزوں کے خلاف جنگ کے لئے اُٹھ کھڑا ہونے کی ترغیب دی۔ لیکن سچ یہ ہے کہ تخت لاہور پر براجمان ہونے کی ہوس میں اب باپ بیٹا دونوں ہر طرف سے اور ہر طرح سے بے توقیر اور بے عزت ہو چکے تھے اور عوام پر سے اپنا اعتماد گنوا چکے تھے۔

14 ستمبر 1848ء کو شیر سنگھ اٹاری والا نے بالآخر ملتانی مزاحمت کاروں کے دستوں میں شمولیت کی توقعات ترک کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی بہن کی دلیپ سنگھ سے بیاہ کی توقع بھی ترک کر دی اور مایوسی کے عالم میں انگریزوں کا ساتھ بھی چھوڑ دیا جس کی وجہ دراصل اُس کے باپ کا خط تھا، جس نے اُسے لکھا تھا کہ وہ انگریزوں کا ساتھ ترک کر دے۔ شیر سنگھ کی وفاداریاں بدلنے کی بنا پر انگریزوں کو نہ صرف بہت بڑا دھچکا لگا بلکہ اُنہیں دوبارہ سورج کُنڈ کی طرف پسپائی اختیار کرنی پڑی۔ ساتھ ہی ساتھ اِس کمی کو پورا کرنے کے لئے اُنہوں نے مزید غیر منظّم مقامی غداروں کا ایک اور دستہ تیار کرنا شروع کر دیا۔ لیکن اپنی ناعاقبت اندیشی اور کور چشمی کی بنا پر مولراج بدلتی ہوئی صورتِ حال سے فائدہ اُٹھانے میں ناکام رہا۔

سُورج کُنڈ پہنچ کر شمال مغرب کی جانب اُنہوں نے اُسی گاؤں میں پڑاو ڈالا جہاں پر وہ آتے ہوئے رُکے تھے۔ کچھ روز وہ وہیں دبکے رہے۔ پھر ملتانی سپاہ کی مزید

چڑھائی سے گھبرا کر تقریباً ایک ہزار تا پندرہ سو میٹر تک پیچھے کھسک گئے اور اپنے ہی غیر منظّم دستے کے بائیں بازو میں پناہ لے لی۔ اِس پسپائی کے دوران 16 ستمبر 1848ء کو ملتان کے جری جوانوں نے اُنہیں کافی زیادہ جانی اور مالی نقصان پہنچایا۔ کئی بار اُن کے دستوں کو تتر بتر کیا مگر وان کارٹلینڈ کی سخت جوابی کارروائی سے اُنہیں بھی پیچھے ہٹنا پڑا۔ کارٹلینڈ اور ایڈورڈز نے کئی بار اپنے منظّم اور غیر منظّم فوجی دستوں کی ترتیب و تقسیم اور احکامات بدلے مگر ملتانی مزاحمت کاروں کو شکست دینا آسان نہ تھا۔

اصل میں انگریز افواج غیر منظّم دَستوں کو یا تو ثانوی حیثیت میں اپنے ساتھ رکھتے تھے یا پھر الگ سے اُنہیں کوئی ٹاسک دے دیا کرتے تھے۔ اِس نسل پرستانہ حکمتِ عملی کی وجہ سے انگریز سپاہیوں کے مقابلے میں مقامی سپاہی زیادہ آسانی سے اور زیادہ تعداد میں مارے جاتے تھے۔ کئی ایک ایسے تھے جو اِس رویے سے تنگ آ کر یا اپنے ضمیر کی ملامت پر واپس گھروں کو بھی چلے گئے تھے۔ جو باقی رہ گئے اُن کا انجام اچھا نہ ہوا۔ پہلی محاذ آرائی سے شکست خوردہ، تھکی ماندہ اور زخموں سے چُور برطانوی فوج جنرل وہش کی کمان میں اب بمبئی سے نئی کُمک کا انتظار کرنے لگی۔ اُن کا خیال تھا کہ اگر بمبئی سے اُن کی مرکزی قیادت اُنہیں مزید اسلحہ اور تازہ دم فوج بھیج دے تو شاید اُن کی ہلاکتیں کم ہو جائیں، اُنہیں بار بار پسپائی اختیار نہ کرنی پڑے اور اُن کی فتح کا خواب حقیقت میں بدل جائے۔ اِسی انتظار اور اِسی تصور میں اُنہوں نے جیسے کیسے سورج کُنڈ میں اپنے تحفظ اور بقا کا عارضی بندوبست کر لیا۔ اُنہیں ہرگز یہ اندازہ نہیں تھا کہ قلعہ ملتان کو زیرِ نگیں کرنا خالصہ دربار کو تسلط میں لانے سے زیادہ مشکل ثابت ہوگا۔

☆☆☆

ساتواں باب

بالآخر ملتانی مزاحمت کاروں کے پاؤں اُکھڑنے لگے

اُدھر برطانوی افواج نے حفاظتی بندات سے باہر آ کر زیادہ ایڈوانس مقامات پر اپنی پوزیشن سنبھال لی تھی۔ اُن میں سے کچھ دائیں، کچھ بائیں اور کچھ نہر کے دامن میں مغربی کنارے کے عین نیچے اندھیرے کی اوٹ لے کر ریت اور مٹی میں چھپ گئے۔ کمانداروں نے چھوٹے چھوٹے دستے بنا کر ہر ایک کی قیادت ایک جری جوان کے سپرد کر دی۔ اِسی اَثنا میں میجر ایڈورڈز، لیفٹیننٹ برنی کی مدد کو دوڑا جبکہ کارٹلینڈ اور لیفٹیننٹ ایڈورڈز کو موجودہ صورتِ حال میں یہی مناسب لگا کہ جہاں جہاں اُن کے باقی ماندہ سپاہی موجود تھے اُن کی حوصلہ افزائی کی جائے۔ اُنہوں نے کچھ اور سپاہیوں کو خندقوں میں اُتارا تا کہ جس قدر ممکن ہو اپنا دفاع کر سکیں۔ مگر یہ ساری صورتِ حال اب بھی اُن کے لئے اطمینان بخش نہیں تھی۔ شک و شبے کی لہریں فشارِ خون بڑھا رہی تھیں۔ نفسانفسی اور آپا دھاپی میں کسی کو کسی پر اعتماد باقی نہیں رہا تھا اور دوست دشمن کا فرق مٹنے لگا تھا۔ ویسے تو اُنہوں نے زیادہ تر ریاستوں اور راجگاہوں کو بغیر کسی یلغار و حصار کے تجارت، مذاکرات، جھوٹے سچے معاہدوں اور عہد و پیمان کے ذریعے اپنا مطیع اور تابعِ فرمان بنایا تھا مگر عسکری کشاکش کے ذریعے قلعوں کی اگر بات کی جائے تو سرنگاپٹم (1799ء) اور بھرت پور (1825ء-1826ء) کے قلعوں پر یلغار کے بعد شاید ہی برطانوی فوج کو اس قدر مزاحمت اور دقت طلبی کا سامنا کرنا پڑا ہو جس قدر اُنہیں قلعۂ ملتان کو عملی طور پر فتح کرنے میں ہوا۔

برطانوی افسران ملتانی پٹھانوں، مقامی سکھوں اور گردونواح سے اکھٹے کئے گئے اُجرتی سپاہیوں کو مشکوک نظروں سے دیکھنے لگے تھے اور یہ تعلق ہمیشہ، ہر محاذ پر ایسے ہی نسل

پرستانہ رہا تھا۔ یعنی جن مقامی سپاہیوں کو وہ دھونس دھمکی یا لالچ اور تنخواہ پر بھرتی کرتے تھے اُن پر مسلسل شک کی نظر بھی رکھتے تھے۔ اب اکتوبر شروع ہو چکا تھا، راتیں اس قدر طویل اور اندھیری نہیں تھیں جس قدر کمپنی کی سپاہ کو محسوس ہونے لگی تھیں، ایسے جیسے ختم ہونے کو ہی نہ آ رہی ہوں۔ دراصل بے قراری اور انتظار نے اُن کی راتوں کا دورانیہ طویل کر دیا تھا۔ اکتوبر کی ایک مخصوص صبح اُنہوں نے دوبارہ چڑھائی کرنے کا سوچ رکھا تھا۔ صبح جب دھیرے دھیرے کانپتا ٹھٹھرتا ہوا سورج اُفق کے لحاف سے باہر نکلا تو ساتھ ہی ہوشیار ملتانی سپاہ نے ایک نئی جگہ سے اُنہیں آ دبوچا اور پہلے ہلے کے اَندر ہی اِتحادی افواج کے اُجرتی سپاہیوں میں سے کچھ کو ہلاک اور بہت سوں کو زخمی کر دیا۔ یہ دیکھ کر باقی دستے اپنی پوزیشن چھوڑ کر بگٹٹ بھاگ کھڑے ہوئے۔ اِس بھگدڑ میں کیا سپاہی کیا کماندار کسی کو کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ بَنی بنائی بازی اُلٹ کیسے گئی۔ ابھی وہ ورطۂ حیرت میں ہی تھے کہ مزاحمت کاروں نے مورچوں سے آگے بڑھ کر گوروں کے کیمپوں پر یورش کر دی جہاں وہ محفوظ بیٹھ کر مقامی دستوں کو اپنے ہی لوگوں کے خلاف قتل و غارت کے نارِناپسندیدہ میں جھونکے جا رہے تھے۔ اور اَچانک اُن کے دائیں اور بائیں بازو والے دستوں کے پرخچے اُڑا کر دکھ دیے۔ بوکھلائے ہوئے دشمن نے آرٹلری کے آدمیوں کو جوابی فائر کھولنے کے لیے کہا۔ مگر گھات میں بیٹھی ہوئی ملتانی سپاہ نے ندی کے خشک پاٹ میں مزید پیش رفت جاری رکھی، یوں جیسے کچے راستوں پر بیل گاڑیاں دوڑ رہی ہوں، کچھ پھنستے ہوئے، ذرا پھسلتے ہوئے اور کچھ دوڑتے ہوئے یہاں تک کہ مناسب ترین مقام پر پہنچ کر اُنہوں نے پہلے سے دُگنی قوت کے ساتھ دشمن پر دوبارہ حملہ کر دیا۔ دَھنادَھن، شور، ہنگامہ اور گھن گرج۔

اُدھر انگریز کمان بھی اُن کی حرکات و سکنات پر مسلسل نگاہ رکھے ہوئے تھی تا کہ موقع ملتے ہی نئی کمک موصول ہونے سے بھی پہلے اُن کا صفایا کر دیا جائے۔

لیکن یکم نومبر 1848ء کو مزاحمت کارانِ ملتان نے کچھ اَسلحہ اور جری جوان منظّم کر کے اپنے آپ کو اِس قابل سمجھا کہ وہ دُشمن کا ستیاناس کر سکیں۔ رات کی تاریکی میں اُنہوں نے کم وبیش چھ بڑی توپیں پُل موج دریا سے گزرنے والی نہر کے مغربی کنارے پر نصب کر کے منہ اندھیرے اِتحادیوں کے کیمپوں پر گولہ بارود کی برسات کر دی۔ کھیل کُود اور فرضی مشقوں والی ذہنی کیفیت میں سوئی ہوئی برطانوی بٹالین ہڑبڑا کر اُٹھی اور پہلے تو وہ اِس کو بھی ایک مشق ہی سمجھی لیکن جلد ہی اُنہیں اندازہ ہو گیا کہ یہ نہ تو مشق تھی اور نہ ہی مذاق۔ بلکہ ملتانی سپاہ نے اُن پر ایک بھرپور حملہ کر دیا تھا۔ میجر ایڈورڈز کا کیمپ نہر کے بائیں کنارے پر ہی تھا مگر وہ نہایت چالاکی اور چابکدستی سے اپنی جان بچاتے ہوئے دوسرے کنارے کی طرف سِرک گیا۔ سَرد موسم کی وجہ سے یہ چھ ماہی ندی اب خشک تھی اور دفاعی نقطۂ نظر سے بھی اِتنی مؤثر نہیں رہی تھی جتنی سرتاسر بہنے والے موسمِ گرما میں۔ مسلح سپاہی، اتحادی پڑاؤ کے شمال میں قلعے کے مخالف رُخ مگر انگریزی کیمپوں کی سیدھ میں اِس مہارت سے صف آرا ہوئے کہ اُن کے میدانِ مسکنت کا شاید ہی کوئی کونا اُن کے ہدف سے مخفی رہا ہوگا۔ تاہم اُن کا اپنا مقام، جہاں وہ مضبوطی اور سمجھداری سے اِستادہ تھے، دُشمن پر زیادہ واضح نہیں تھا۔ نہایت محدود اسلحہ اور قلیل تعداد کے باوجود بھی تقریباً پورا ہفتہ وہ لگاتار اِتحادی ٹھکانوں پر فائرنگ کرتے رہے اور گولا بارود پھینکتے رہے۔ دُشمن بھی ٹیلوں اور خندقوں کی اوٹ میں گرتے پڑتے جوابی فائر کرتے رہے۔ مگر ناپید اور نامکمل خندقوں اور کم بندوں کے باعث ملتانیوں کا برائے نام جبکہ اِتحادیوں کا خطیر جانی نقصان ہوا اور بیسیوں لڑاکے بے طرح زخمی بھی ہو گئے۔ نقصان اِس قدر زیادہ تھا کہ اُن کے محسوسات بس اب گئے اور اب گئے والے ہو چلے تھے۔

ملتان کی مستعد سپاہ کی مسلسل اور مؤثر فائرنگ کے جواب میں گھبرائی ہوئی اِتحادی

فوج نبرد آزمائی کی تیاری میں پھرتیاں دکھانے لگی اور پھر بہت ہی تھوڑے وقت میں مقررہ جگہوں پر اپنی توپیں نصب کر کے فائر پھینکنے لگے۔ وہ ندی کے مشرق میں چار اور مغرب میں چھ اور توپیں کھڑی کرنے میں بھی کامیاب ہو گئے اور اِسی طرح شمال مغرب کی سمت میں اُنہوں نے کوئی اٹھارا سَو میٹر کے فاصلے پر چار اور توپیں بھی نصب کر ڈالیں۔ مگر ملتانی لشکری اور دفاع کار ندی کے مغربی بند سے کچھ فطری طور پر اِس قدر محفوظ ہو گئے تھے کہ اتحادی افواج کی چند روز تک شب و روز فائرنگ کے باوجود وہ اُن کا بال بھی بیکا نہ کر سکے۔ نہ توپیں اپنی جگہ سے ہٹیں، نہ اُن کے مورچوں کو کوئی نقصان پہنچا اور نہ ہی کسی کی جان گئی۔ اِتحادی افواج یہ نہ سمجھ آنے والا اَسرار دیکھ کر تلملا اُٹھیں۔ تھوڑی ہی سہی، کم مایہ ہی سہی، مگر اُن کی بندوقیں مغربی کنارے تلے اِس قدر دانشمندی سے لگائی گئی تھیں کہ دُشمن کے تمام فائر یا تو مٹی کے ٹھوس بند میں ہی پیوست ہو جاتے تھے یا پھر بغیر نقصان پہنچائے اُوپر سے ہی گزر جاتے۔ کمپنی کی اِتحادی افواج کی ناکام جوابی کارروائی دیکھ کر سپاہیوں نے کچھ اور زور لگایا اور چاہا کہ دُشمن کو ایک بڑی تباہی سے دوچار کریں۔ کوئی چھ سو میٹر کے فاصلے پر اُنہوں نے کچھ اور توپیں نصب کیں اور اپنے پیدل دستوں کو پہلے سے بنائے گئے اَگلے مورچوں میں دھکیل دیا۔ یہاں سے اُنہوں نے اپنی فائرنگ کی شدت اور رفتار دُگنی کر دی۔

اگلی صبح تک دشمنوں کے خیمے براہ راست اُن کی زَد پر تھے۔ گولیوں کی بوچھاڑ اور گولوں کی یلغار محفوظ فاصلے سے آگے بڑھ کر دشمن کے چھکے چھڑانے لگی۔ ناشتہ بنانے اور لگانے میں مصروف درجنوں جارح اور بیسیوں دہاڑی دار عسکری مارے گئے۔ کئی ایک کو بھاگنے میں ہی عافیت سوجھی اور کچھ اپنی توپوں پر لپکنے ہی والے تھے کہ مزاحمت کاروں کی سنسناتی ہوئی گولیاں اُن کے بدنوں کو یوں چیرتی ہوئی دوسری طرف کو نکل گئیں جیسے وہ چوبی تختوں کی باڑ کے سوا کچھ نہ ہوں۔ اِسی موقع پر مُولراج کی کمان میں کام کرنے والی دو اہم

شخصیات یعنی غلام سرور خاکوانی اور فوجدار خان علیزئی بھی (جو لیفٹیننٹ ایڈورڈز کا ایڈ جوائنٹ جنرل تھا) شدید زخمی ہو گئے۔ (۳۱) غلام سرور خاکوانی اور فوجدار خان علیزئی اگینو اور اینڈرسن کے قتل کے بعد سے ہی دفاعِ ملتان میں وقتاً فوقتاً مختلف بٹالینز کو کمانڈ کرتے رہے تھے۔

پیشگی تیاری کے طور پر چھ نومبر کی شام کو ہی لیفٹیننٹ پولاک کو مرکزی کمان کی طرف سے حکم دیا گیا کہ وہ برطانوی مورچہ سنبھالے، وہاں سے جہاں سے توپیں نکالی جا رہی تھیں۔ پلان کچھ اِس طرح تھا کہ اِسی دوران میجر ایڈورڈز اپنا دستہ تیار رکھے گا اور جیسے ہی کمپنی کی فوج اور اُس کے اتحادی ایک جانب حملہ کریں گے تو لیفٹیننٹ پولاک اور اُس کا دستہ آگے بڑھ کر دوسری جانب سے حملہ کر دیں گے۔ لیکن وہ اِس بات کا خیال رکھے گا کہ اُس کا دستہ ندی کراس نہ کرے، نہیں تو مزاحمت کاروں کے نرغے میں پھنس کر اُنہیں ایک بڑے نقصان کا احتمال ہوگا۔ مگر یہ حکمتِ عملی اُن کے کام نہ آئی۔ مزاحمت کاروں کی گولا بارود کی ژالہ باری نے اُنہیں اِس پلان پر عمل درآمد کا موقع ہی نہ دیا۔

تقریباً سات دن کی ہلاکت خیزی برداشت کرنے کے بعد دشمن نے 7 نومبر 1848ء کو بدلہ چکانے کے لئے نئی حکمت عملی تیار کی جس کے مطابق برطانوی فوج موقع پاتے ہی ندی پھلانگ کر دوسرے کنارے پر پہنچے گی اور مشرق میں لائین اَپ ہوگی اور اپنے دائیں جانب طویل راستے سے گھوم کر اپنے منتخبہ فوجیوں کو منظم کر کے تین توپیں دائیں اور تین بائیں سمت میں نصب کرنے کا حکم دے گی جبکہ ایک چاک و چوبند گھڑسوار دستہ اُن کی حفاظت کے پیشِ نظر اُن پر اور ملتانی سپاہ پر نظر رکھے گا اور اگر ضرورت پڑی تو ملتانی سپاہ پر جوابی حملہ کرنے کے لیے ہمہ تن ہوشیار بھی رہے گا۔

معاملات ہاتھ سے نکلتے ہوئے دیکھ کر میجر ایڈورڈز نے کچھ مزید تازہ دم سپاہی اپنی مدد کے لیے بلوائے اور گذشتہ دن اور رات کی شکست خوردگی اور تازہ ترین جمود سے گھبرا

کر اب کی بار میجر وان کارٹلینڈ کو پیشگی اِطلاع بھیجی کہ:

''اُس کے کیمپ پر ناگہانی لشکر کشی ہوئی ہے، کئی ایک جوان مارے گئے ہیں، درجنوں گھاؤ پر گھاؤ لگنے سے بے خود، بے سدھ اِدھر اُدھر بے یار و مددگار پڑے ہوئے ہیں اور یہ کہ جوابی کارروائی کے لیے اُن کا اپنے ٹروپس کو ندی میں اُتارنا از حد ضروری ہے۔ ورنہ ناقابلِ تلافی نقصان کا خطرہ اُن کے سروں پر منڈلا رہا ہے۔''

دل ہی دل میں اُن کو یہ خدشہ بھی لاحق تھا کہ کہیں لیفٹیننٹ جیمز کی طرح پہرے کے لیے اوپر ٹھہرے ہوئے اُن کے واچ ڈاگ دوبارہ اپنے ہی فوجیوں کا شکار کرنا نہ شروع کر دیں۔ ملتانی دستے بغیر کسی وقفے کے اپنی دھواں دھار یلغار جاری رکھے ہوئے تھے اور دشمن کے ٹروپس کو سنبھلنے اور جوابی کارروائی کرنے میں مشکل درمشکل پیش آ رہی تھی۔ پھر بھی کارٹلینڈ اپنی بٹالین کو آگے اور آگے بڑھنے کے لیے حکم دیے جا رہا تھا۔ دراصل وہ اُنہیں بار بار اِس طرح آگے بڑھنے کے لیے کہہ رہا تھا اور نگرانی کر رہا تھا جیسے چرواہوں کے وفادار کُتے بھیڑوں کو ایک خاص سمت میں چلتے رہنے پر مجبور کرتے ہیں اور کسی بھی بھٹکی ہوئی بھیڑ کو فوراً اپنی خونخوار غراہٹ سے واپس ریوڑ میں لے آتے ہیں۔ تا آنکہ اُسے کسی سپاہی پر اچانک وفاداری تبدیل کر جانے کا شبہ باقی نہ رہے۔

☆☆☆

آٹھواں باب

برطانوی یلغار اور قلعہ بند مزاحمت کی تیاری

واضح رہے کہ 1848ء تک تاجِ برطانیہ نے کم از کم علامتی حد تک براہِ راست ہندوستان کی باگ ڈور نہیں سنبھالی تھی اور ملتان کا محاصرہ کرنے والے انگریز افسران اِیسٹ اِنڈیا کمپنی ہی کے کرتا دھرتا تھے اور زیادہ تر اُجرت پر بھرتی کئے گئے مقامی اور بیرونی دستے بھی کمپنی ہی کے ملازم تھے۔ جبکہ خالصہ دستوں کو لاہور دربار کے حکم پر ملتان پر لشکر کشی کے لیے اِس دھوکا دہی سے شامل کیا گیا تھا کہ پنجاب فتح کرنے کے بعد کمپنی بہادر پنجاب کی راجدھانی دوبارہ اُن کے سپرد کر دے گی۔ مگر انگریزوں کی اور بہت سی چالبازیوں کی طرح یہ بھی ایک چال ہی تھی کیونکہ ملتان ابھی تک انگریزوں کی دسترس سے باہر تھا۔ ملتان کا قلعہ اُنیسویں صدی کے مضبوط ترین قلعوں میں سے ایک تھا اور اُسے کسی تربیت تافتہ، بڑی اور رسمی فوج کے علاوہ تاخت و تاراج کرنا ممکن نہیں تھا اور یہ کہ اُنیسویں صدی کے اوائل تک، پے در پے حملوں کے بعد، رنجیت سنگھ کی نواب مظفر خان کو شکست دے کر ملتان کو اپنی راجدھانی میں شامل کرنے کے باوجود بھی، صوبہ ملتان اپنی آزادانہ حیثیت برقرار رکھے ہوئے تھا اور 1843ء میں سندھ کو زیرِ تسلط لانے کے بعد، انگریزوں کے لیے زیادہ دیر تک ''صوبہ ملتان'' کی نیم خود مختارانہ حیثیت کو گوارا کرنا ممکن نہیں تھا۔

سورج کُنڈ اور جوگ مایا کے محاذ سے واپسی کے بعد ملتانی سپاہ نے قلعہ کے اندر داخل ہو کر دروازے بند کر لیے جہاں مولراج پہلے سے ہی اپنے محل میں نظر بند ہو چکا تھا۔ تاہم اُنہوں نے حفاظت اور جوابی حملے کے لیے چند ایک دستے قلعہ کی بیرونی دیوار کے سامنے تعینات رکھے اور برجیوں پر جس قدر تعداد میں ممکن ہوا توپچی بٹھا دیے۔ کچھ اور توپیں

اُوپر سے فائر کیے جانے والے مقامات پر نصب کیں اور قلعے کے اندر دفاعی مورچوں کو زیادہ مضبوط اور مستحکم کرنا شروع کر دیا۔ البتہ دیہہ دروازے کی جانب قلعے کے تیسرے اور آخری پُشتے سے جہاں پر قلعہ ختم ہوتا ہے کچھ عمارتیں غیر محفوظ اور آگے کو نکلی ہوئی تھیں جو بڑی آسانی سے دشمن کی توپوں کے گولوں اور فائرنگ کی زد میں آسکتی تھیں۔ اِسی لیے ان کی حفاظت کے پیشِ نظر وہاں سے سپاہیوں کو ہٹا لیا گیا۔ مگر یہ بیک وقت صحیح اور غلط فیصلہ تھا۔

بہر حال اُنہیں اندازہ تھا کہ سفاک دُشمن اب قلعہ پر ہی یلغار کرے گا۔ اِسی لیے اُنہوں نے دفاع اور وار کرنے کی پلاننگ شروع کر دی۔ لڑکپن یا جوانی میں کسی بھی رسمی عسکری تربیت کے بغیر بھی سپاہیوں نے اچھی خاصی ترتیب و تنظیم اور مشاقیت کا ثبوت دیا۔ مولراج نے بھروسے کے تمام سپاہی اپنی دفاعی لائین میں سب سے آگے رکھے کیونکہ کاہن سنگھ کی معیّت میں آنے والے اگنیو اور اینڈرسن کی ہلاکت کے بعد سے ہی اُسے اندازہ ہو چلا تھا کہ کمپنی اور خالصہ افواج امرتسر اور لاہور میں ساز باز کے بعد لازماً ملتان کا رُخ کریں گی اور یہی اندازہ اُس کے باپ دیوان سانول مل کو بھی تھا کہ کبھی نہ کبھی لاہور دربار ضرور اُن کی خود مختاری ختم کرنے کی کوشش کرے گا یا پھر تاجِ برطانیہ کی گماشتہ نام نہاد تجارتی کمپنی ملتان کو بھی ہڑپ کرنے کی سعی کرے گی، اِسی لیے آخری دم تک اُس نے قلعے کی مضبوطی پر کام جاری رکھا۔ مولراج نے ایک بار پھر اپنے اعتماد کے ہندو مسلم ساتھیوں کے ساتھ مل کر قلعے کے اندر مالی اور عسکری تیاریاں شروع کر دی تھیں۔ دشمن کو دو تین محاذوں پر کافی نقصان پہنچانے کے بعد اُسے پورا یقین تھا کہ آخری معرکہ قلعے کے اندر یا عین باہر ہی ہوگا۔ اُسے قلعہ کے ناقابلِ شکست ہونے کا یقین تھا اور کسی حد تک دشمن کی عیاری، ہشیاری اور غداروں کی حرص و ہوس کا بھی اندازہ تھا۔ پھر بھی اُس نے آخری کاوش کا لرزتا ہوا ارادہ باندھ لیا۔

عمومی طور پر قلعہ کے اندر رہنے والے عوام کو قلعہ کی آہنی استقامت پر اِس قدر

اِعتقاد تھا کہ تھوڑی بہت بے چینی اور باہر ہونے والی معرکہ آرائیوں کی خبروں کے باوجود وہ بساط بھر معمولاتِ زندگی برقرار رکھے ہوئے تھے۔ ہنر پیشہ افراد تخلیق وتزئین میں مصروف تھے، معمار روزمرہ کی تعمیر ومرمت میں، قالین بُننے والے اور پارچہ باف روایتی ڈیزائین بنانے میں، آڑھتی اجناس کی خرید وفروخت میں، پنسار جڑی بوٹیاں اور معجون بیچنے میں، حکیم کُشتہ فولاد اور ادویات تجویز کرنے میں اور دھنوان گایوں بھینسوں کی خدمت گزاری اور دودھ، دہی یا پنیر کے کاروبار میں مصروف تھے اور ہاں بہت لوگ ایسے بھی تھے جن کا خیال تھا کہ عبادت ریاضت یا بھگوان کی پرارتھنا سے اب کچھ ہوتو ہو اور اس کے علاوہ وہ کر بھی کیا سکتے تھے۔

بلاشبہ قلعۂ ملتان ناقابلِ شکست ہونے میں اپنی مثال آپ تھا اِسی لئے دریائے سندھ کے مغرب میں ڈیرہ جات اور چناب کے مشرق میں لیہ، بہاولپور، میانوالی اور ساہیوال کے شہریوں میں یہ تاثر عام تھا کہ ''انگریز ایڑی چوٹی کا زور لگانے کے باوجود قلعہ کے اَلنگ اور پُشتے نہیں پاٹ سکتے اور نہ ہی شہر پناہ کی دیواروں کو کوئی زک پہنچا سکتے ہیں۔'' ملتانی قلعے کی ایک اینٹ بھی، اُن کی رائے میں، ''کسی دیو ہیکل شیطانی قوت کے بغیر اُکھاڑی نہیں جا سکتی۔'' اِسی طرح ملتانی سپاہ کو بھی محکم یقین تھا کہ وہ گوروں اور اُن کے وفاداروں اور غداروں کو قلعے کے باہر ہی چاروں شانے چت کر دے گی کیونکہ اُس نے اپنی کامیابی کے لیے تمام ممکنہ وسائل اِکھٹے کیے ہوئے تھے اور اب تک ہونے والے معرکوں میں بھی اُن کی کارکردگی کوئی زیادہ مایوس کُن نہیں رہی تھی۔ مولراج کی اٹاری والا خاندان پر شک اور بے رُخی سے بے خبری کی بنا پر وہ اب تک یہ امید باندھے ہوئے تھے کہ شیر سنگھ اور چھتر سنگھ دریائے جہلم کے کنارے جو لشکر اِکھٹا کر رہے ہیں وہ شاید اُن کی کُمک کو آ رہا ہے جس سے اُن کی قوت میں مزید اضافہ ہو جائے گا۔ مگر ایسا نہ تھا بلکہ اُنہیں معلوم ہی نہیں تھا

کہ شیر سنگھ کی بھرپور کوشش اور خواہش کے باوجود مولراج نے اپنے بے بنیاد وَسوسوں اور کامیاب انگریزی سازش کے تحت شیر سنگھ (اور چھتر سنگھ) کو اپنے مزاحمتی دستوں میں شامل نہیں ہونے دیا تھا۔ بہرحال تمام تر نامساعد حالات کے باوجود ملتانی فوج قلعہ کے دفاعی محاذ پر ڈٹ جانے کے لیے تیار تھی اور جان ہتھیلی پر رکھنے کا تہیہ کیے ہوئے تھی۔

لہو گرم رکھنے کیلئے سپاہیوں نے قلعے کے اندر گُھڑ دوڑ، رسہ کشی، تیر اندازی، تلوار بازی اور نشانہ اندازی جاری رکھی۔ اُنہیں معلوم تھا کہ خالصہ اتحادیوں اور گوروں کا اگلا ہدف قلعہ کُہنہ ملتان ہے کیونکہ صدیوں سے ایستادہ یہ کوہ قامت، دیوتا صفت اور کم وبیش ناقابل تسخیر قلعہ سکندر مقدونی سے لے کر رنجیت سنگھ تک سب کو اپنے استقلال اور استمرار کے سامنے ڈھیر کرتا رہا ہے اور بَعَینہٖ اِسی نقطۂ نظر سے اِتحادی افواج کے اِنجینئر اور عسکری ماہرین بھی قلعے کے کمزور ترین مقامات کا اپنے تئیں جائزہ لیتے رہے تھے اور ساتھ ہی ساتھ قلعے پر چڑھائی کرنے کے لیے گردونواح میں چھوٹے بڑے مورچے اور مٹی کی ڈھالیں بھی کھڑی کر رہے تھے۔ درحقیقت وہ کچھ مواقع پر جان بوجھ کر بھی محاذ آرائی کو طول دیتے رہے تھے تاکہ موسم اُن کی طبع کے مطابق موزوں ہو جائے۔ اور اب جاڑے کا موسم آن پہنچا تھا اور دِن کو سورج کی تمازت بہت تقویت دینے لگی تھی جو گورے افسران اور فوجیوں کی صحت اور خوش گواریٔ طبع کے لیے خاص طور پر بہت موافق تھی۔

شیر سنگھ اور چھتر سنگھ تو نہ پہنچے اور نہ انہیں پہنچنا تھا مگر وہ بدقسمت دن ضرور آن پہنچا جب بمبئی سے روانہ جدید اَسلحے سے لیس اور مکمل تربیت یافتہ ایک اور فوجی دستے نے اِتحادی افواج کو جوائن کر لیا۔ وہ شاید پہلے آ جاتا لیکن جن صاحب نے ملتان جا کر جنرل وہش کی قیادت میں کارزارِ خاک وخون کا حصہ بننا تھا اُس نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ وہ جنرل وہش سے سینئر ہے، اِس لئے محاذ کوئی بھی ہو، وہ اُس کی سالاریت میں جانے سے انکاری ہے۔

لہٰذا اُس کا بدل تلاش کرتے کرتے جیمز رمسے ڈلہوزی، ریذیڈنٹ بمبئی کو، دو مہینے اور لگ گئے۔ اب صرف اور صرف قلعہ ہی اُن کا واحد ہدف اور ہوسِ حکمرانی کا جادہ تھا جس کا ملتانی سپاہ اور شاید اپنے محل میں محصور مولراج کو بھی بخوبی اندازہ تھا۔ یہ نومبر 1848ء کا آخری ہفتہ تھا جب نئے اسلحے سے لیس، چاک چوبند اور مکمل تربیت یافتہ متذکرہ بالا دستہ جنرل وہش کی بنگال آرمی ٹروپس سے آن ملا تھا۔ ستمبر میں بھی شیر سنگھ اور چھتر سنگھ کے دستوں کے پانسہ بدلنے کی وجہ سے اُنہیں پسپائی اختیار کرتے ہوئے قلعے پر چڑھائی کا ارادہ ترک کرنا پڑا تھا۔ مگر بمبئی سے کمک کے بعد دسمبر میں اَب صرف اور صرف قلعہ پر حملہ کرنا ہی اُن کا واحد مدعا و مقصود تھا جس کا ملتانی سپاہیوں اور وطن خواہوں کو بھرپور اندازہ تھا۔

اسلحہ، آدمی اور مورچے سب تیار کرنے کے بعد اب کمپنی اتحادی اور خالصہ افواج ایک بدمست ہاتھی کی طرح قلعے پر یلغار کرنے اور اندرون و بیرون بود و باش کو نیست و نابود کرنے کے لئے بے چین و بے قرار تھیں۔ اپنی ماں کی نصیحت اور باپ کی حمیت کے خلاف باہر آ کر بے جگری سے توپ و تفنگ کا مقابلہ کرنے کی بجائے مولراج اپنے سپاہیوں کو بادبانِ راہنمائی اور احکامِ حربی کے بغیر چھوڑ کر قلعہ کے اندر اپنے محل میں مستور ہو گیا۔ تاہم سپاہیوں نے پھر بھی ہمت نہیں ہاری۔ اُنہوں نے زمین پھاڑ کر خندقیں نکالیں، اُن میں پانی چھوڑا، قلعے کے دہانوں سے مورچے نکالے، جہاں تک ممکن ہو سکا بُرجیاں اور کنگریاں مرمت کیں اور گولہ باری کے متوقع مقامات پر مزاحم بندوقیں، توپیں اور توپچیاں نصب کیں اور پھر قلعہ کے اندر، باہر، اَلنگ کے اُوپر اور بُرجیوں کی اوٹ میں اپنے رگ و پے میں دوڑتی ہوئی حب الوطنی اور مخفی توانائیاں آزمانے کے لیے مستعد ہو گئے۔ ڈیرہ جات اور سندھ کے دمانوں، روہی اور چولستانوں کی ریتوں، چناب کے دوآبوں اور سورج کُنڈ اور جوگ مایا کے میدانوں میں ضرب و زقند کے بعد اور پھر دشمن کے بیچ رہنے اور اُنہیں مزید کُمک اور اسلحہ دستیاب ہو جانے کے بعد

سپاہِ ملتان کے لئے قلعے کی بقا اور دفاع اُن کے لئے زندگی اور موت کا مسئلہ بن چکا تھا۔

دوسری طرف جنرل وہش خون آشام بھیڑیے کی طرح، اپنے تئیں، ملتان کو روندنے کے لیے دستیاب نئے دستے کے باوجود زیادہ سے زیادہ آدمی اور اسلحہ نہ صرف اکھٹا کر رہا تھا بلکہ تمدن سے ماوراء اپنی وحشت انگیزی اور مخصوص جبر و جور کا مظاہرہ کرنے کے لیے بے قرار بھی تھا۔ کیونکہ بمبئی سے روانہ ہونے کا اُس کا سب سے بڑا مقصد ہی یہی تھا اور اب تو قریب بتیس ہزار جوان اور ایک سو پچاس توپیں اُس کی کمان میں تھے اور کمپنی بہادر کا نیم صلیبی سرخ پھریرا گرم خون کی طرح اُس کی آنکھوں کی فصیل پر پھڑ پھڑا رہا تھا اور سفید دیدے جیک یونین کی دھاریوں کی مانند بے ہنگم اُوپر تلے مچلتے ہوئے کچھار بند شیر کی تصویر بنے ہوئے تھے۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کی افواج کا قلعے پر دھاوے کا ایک منظر [10]

10. John Dunlop Sketches (1823-1867). Mooltan: During and after the siege. 21 drawings taken on the spot with a descriptive and historical account of the siege. London: Published by Wm. S. Orr and Co., 1849 https://www.christies.com/en/lot/lot-6437698

نواں باب

سپاہِ ملتان کی مضمحل مزاحمت اور پسپائی

25 دسمبر 1848ء کی شب جنرل وہش نے اپنی اور خالصہ دربار کی مشترکہ افواج کو قلعے کے شمال مشرقی حصے کے سامنے پڑاؤ ڈالنے کا حکم دیا۔ چابک دست بندوقیں اپنی کمروں پر لٹکائے، وقت کا جدید اسلحہ میدان میں سجائے اور مورچوں میں انبار لگائے، دشمن اب ہر طرح کی سفاکی اور ہولناکی کا مظاہرہ کرنے کے لیے تیار تھا۔ مگر ملتان کے تل وطنی جانثار بھی قلعے کے باہر اِدھر اُدھر خندقوں اور مورچوں کی کمین گاہوں میں تاک لگائے بیٹھے تھے اور قلعہ کے اندر چھوٹے چھوٹے دستوں کی صورت اور کسی مرکزی قیادت کے بغیر اپنے آپ کو منظم اور مسلح کر رہے تھے۔ حسبِ منصوبہ 27 دسمبر 1848ء کو کمپنی بہادر کی اِتحادی افواج کے گھڑسواروں، توپچیوں اور پیادہ عسکریوں نے قلعے کی طرف پیش رفت شروع کر دی اور راستے میں چرند، پرند، شجر اور مستقر جو کچھ بھی نظر آیا سب نیست و نابود کرتے آئے۔

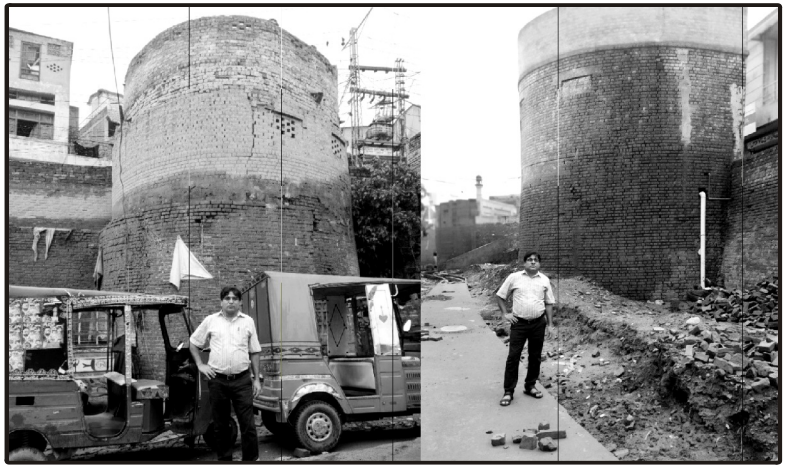

راقم کے عقب میں قلعے کی موجودہ اور مخدوش صورت حال واضح ہے

یہ کوئی کھیل تھا، بربریت مزاجی، حواس باختگی، دہشت پھیلانے کا حربہ یا کچھ اور، کچھ خبر نہیں۔ جب وہ سیلِ رواں کی طرح آگے بڑھے تو بہت سے عام شہری بھی، جو طاقت کے اِس گھناؤنے کھیل سے یکسر بے خبر تھے، اُن کی قاتل رفتار تلے روندے گئے۔ خالصہ اور اِتحادیوں نے اپنی راہ میں آنے والے گاؤں کے گاؤں بے سبب اُجاڑ دیے۔ زرخیز زمینوں کو جنگلی خنزیروں کی طرح برباد کر ڈالا، دھان کے کھیت کچل ڈالے اور کپاس کے ٹانڈوں کو نذرِ آتش کر دیا تاکہ اُن کی دہشت کی خبریں اُن سے پہلے قلعے تک پہنچیں اور راستے کی ہر رکاوٹ نابود کرنے سے وہ دور دور تک ملتانی مزاحمت کاروں کی حرکات و سکنات کو بھی دیکھ سکیں۔ ایسے گاؤں، ایسی بستیاں اور ایسے سادہ لوح کسان، ہنرمند اور عام عورتیں، بچے اور مرد بھی بہت تھے جن کو خبر تک نہیں تھی کہ یہ گورے کون تھے؟ کہاں سے آئے تھے، کیا چاہتے تھے؟ اور کیوں ہر ذی روح کو ہلاک کرنے کے درپے تھے؟

وہ تو کپاس کی دُھنائی اور گنے کی کٹائی یا پھر گیہوں کی بوائی میں مصروف تھے۔ اُنہیں تو خبر ہی نہیں تھی کہ کون کس کے خلاف نبرد آزما ہے اور کیوں؟ مگر نوآبادیاتی ہوس کاری میں دشمن اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھا تھا اور پنجاب پر اپنی حکمرانی کا سکہ بٹھانے کے لیے ملتان کو سرنگوں کرنا ازحد ضروری تھا اور منتشر خالصہ کی سرخود فوج اور ہر دھڑا اِس خواب میں تھا کہ پنجاب پر مکمل فتح کے بعد انگریز سرکار اُنہیں ان کی کھوئی ہوئی سلطنت لوٹا دے گی۔

کیا مندر، کیا مسجد، کیا معبد کیا دربار، کیا باغ باغیچے، کیا کھیت کھلیان جو بھی راستے میں آیا سب کچھ ادھ کٹا، اَدھ مُوا کرتے ہوئے وہ آگے بڑھتے گئے۔ یہاں تک کہ قلعے کے مغربی نواح میں پہنچ گئے۔ اُس مقام تک جہاں سے ملتان کی ضعیف اور بوڑھی ندی (موج دریا) بہتی تھی اور ملتانی قلعے کا پہلو چُومتی ہوئی جنوبی سمت کہیں دور نکل جاتی تھی۔ اب کہیں کہیں سے اُنہیں دیوقامت قلعے کے ہاتھ پاؤں اور قوی الجُثہ شانے دکھائی دینے لگے تھے۔ وہاں سے اُنہوں نے تھوڑا سا شمال مغرب کی طرف مارچ کیا اور متعین فاصلے سے کچھ گولے قلعے کے دست و بازو میں پیوست کرنے کی کوشش کی جو ایسے زمین پر جا گرے جیسے

ہاتھی کو غلیل کی گولیاں چھو کر زمین پر گر پڑی ہوں۔ وہاں سے شمال مغرب کی سمت وہ کچھ اور آگے بڑھے اور پھر یکبارگی دھاوا بولنے کے لیے ایک محفوظ مقام پر مورچے بنانا، خندقیں کھودنا اور کچھ زمین ہموار کرنا شروع کر دی تا کہ وہاں اپنی آگ اُگلنے والی توپیں مسلح گارڈز کی طرح کھڑی کر سکیں۔ اَگلے دو سے تین روز میں وہ قلعے کے اندر اور باہر دوزخ بپا کرنے کے لیے تیار تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ محاصرے کے دوران بُرجیوں پر ایستادہ دور مار کرنے والی توپیں کوئی خاص کارنامہ دکھانے میں کامیاب تو نہیں ہوئی تھیں مگر کئی بار مزاحمت کاران کو قلعے کے مؤثر دفاع کے لیے اُن کی سمت اور ہدف تبدیل کرنا پڑے اور اپنی بے بساعتی کے تحت وہ حملہ آور اور قبضہ گیر انگریز اِستعمار کی فوج کو ایک خاص حد سے زیادہ نقصان پہنچانے میں کامیاب نہیں ہوئی تھیں۔

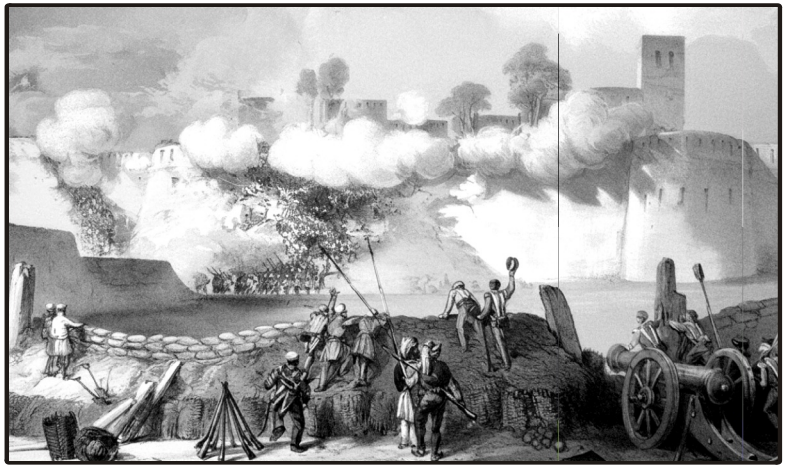

قلعے پر حملے کا ایک منظر۔ جنوری 1849ء

کمپنی اور خالصہ افواج کی مسلسل یلغار سے قلعے کے اندر صورتِ حال ناقابلِ بیان حد تک پریشان کن ہوگئی۔ کثیر تعداد عسکریوں اور خونبار اسلحے میں گھرے دفاع کاروں کے پاس اب قلعہ بند ہو کر، چھپ چھپا کر مزاحمت اور دفاع کی آخری سبیل کرنے کے علاوہ

کوئی چارہ نہیں تھا۔ دستہ سالاروں نے قلعہ کے اندر رہنے والے عام شہریوں کو محتاط رہنے اور بلاسبب باہر نہ نکلنے کی اطلاع دی۔ زمیں بوس جنگ کی ممکنہ طوالت کے باعث مَنوں ٹنوں گیہوں ذخیرہ کروایا۔ بُرجیوں پر بچی کھچی، جُزوی درست اور جُزوی خراب توپیں ایستادہ کروائیں اور جو کچھ گولا بارود سابقہ جھڑپوں سے پس انداز کیا تھا، اُسے منظّم اور مستعد رکھنا شروع کر دیا۔ قلعے کے دیہہ دروازے، سِکھی دروازے اور خضری دروازوں کی دیکھ بھال کروائی اور شہر پناہ کے دلی دروازے، بوہڑ دروازے، حرم دروازے اور دولت دروازے کی مین میخیں درست کروائیں، پُولیں اور قبضے مرمت کروائے اور جہاں تک بن پڑا آہن گروں کی دکانوں میں بہت شعلے بھڑکائے، بہت لوہا پگھلایا، دیسی ساخت کی کئی ایک تلواریں ڈھلوائیں اور سپاہیوں کی بہت پیٹھ ٹھونکی۔

دوسری جانب دشمن نے ہر ایسی جگہ سنبھال لی اور ہر ایسے مقام پر چوکس ہو گیا جہاں سے قلعے پر یا تو مؤثر چڑھائی کی جا سکے یا پھر ملتان کے جانباز سپاہیوں کا وار روکا جا سکے۔ دیہہ دروازے سے مشرق کی سمت میں پختہ اینٹیں بنانے والا ایک پُرانا بٹھہ یا مُنڈیارا تھا جس کے اِرتفاع میں برطانوی جارح پسندوں نے اپنی پاؤنڈر گنیں ایستادہ کر دیں۔ قلعے کے اِرد گرد اُونچے نیچے مقات اور نواحی گھروں کی چھتوں پر اپنے پیادے اِس طرح جما دیے کہ وہ آپس میں براہ راست یا اِشاروں کے ذریعے پیغام رسانی کر سکیں جبکہ گھڑسواروں کو عقبی باغات کے اندر اور دائیں بائیں مرتب کر کے ہوشیار کر دیا گیا۔ جہاں بڑے بڑے ٹیلے تھے، اُن کی اوٹ میں اُنہوں نے توپیں نصب کیں اور میزائل داغنے والی مشینیں تاک میں ٹھہرا دیں۔ یعنی اب نام نہاد مہذب گوروں کی حشر سامانی اپنے افسران کے ایک اِشارے کی منتظر تھی۔

اُدھر قلعے کی بُرجیوں پر مقامی جرنیلوں اور جری جوانوں نے پرانی طرز کی اِکا دُکا توپیں رکھ لیں۔ ممکنہ حد تک کافی سپاہی بھی شہر پناہ کے اَلنگ اور بُرجیوں پر متمکن کئے اور کئیوں کو چھوٹی بڑی بندوقیں تھما کر دشمن کا نشانہ باندھنے کے لئے درست ترین نشانوں پر بٹھا دیا۔ یہ سب کچھ دیکھ کر قلعے کے اندر رہنے والی آبادی، جو اَب تک بڑی حد تک محفوظ اور

حالات کی نزاکت سے کم واقف تھی، یکا یک ایسے ششدر اور سراسیمہ رہ گئی، جیسے صور پھونکا جا چکا ہو اور ''کھڑکھڑانے والی'' گھڑی بہت قریب ہو۔

دُشمن نے حسبِ منصوبہ پہلے شمال مغرب میں شاہ شمس سبزواری کے دربار کے نزدیک پہنچ کر اپنی اولین پیش قدمی میں ہی قلعے پر گولے برسانا شروع کر دیے۔ اُدھر دوسری پلٹون نے پاک دروازے اور حرم دروازے پر کچھ کچے پکے وَار کیے تا کہ ملتانی مزاحمت کاروں کی توجہ منتشر کی جا سکے اور پھر آگے بڑھ کر کچھ اور گولے داغے مگر قد آدم قلعے کی دیوار سے ابھی وہ دور ہی تھے۔ گرد اگرد میں بنگال ٹروپس نے قلعے کے دائیں جانب مورچے سنبھالے اور بمبئی کے دستوں نے مرکزی پوزیشن سنبھال لی جبکہ باقی ماندہ اِتحادی دستے نے اینٹوں کے بٹھوں اور باغات سے مقامی آبادی کو دہشت گردانہ اقدامات کرتے ہوئے بے دخل کر دیا اور وہاں پر اپنی مورچہ بندی کرنا شروع کر دی اور پھر پورے شہر کو مکمل اپنے حصار میں لینے کے لیے اُن کے گھڑسوار دستے قلعے کے شمال مغربی اور مشرقی گھیرے کے گرد چکر لگانے لگے۔ لیکن شاہ رکنِ عالم دربار کی سمت ابھی وہ بڑے حملے کے لیے تیار ہو ہی رہے تھے کہ یکا یک گولیوں کی بوچھاڑ نے اُنہیں ہڑبڑا کر رکھ دیا۔ وہ واپسی فائرنگ کی پوزیشن بنانے ہی لگے تھے کہ خفیہ مقامات پر چھپے ہوئے ملتانی نشانہ بازوں نے فائرنگ کا ایک اور برساؤ کھول دیا اور آن کی آن میں غائب ہو گئے۔ چوکنا ہونے کی وجہ سے کم ہی سہی مگر دُشمن نے چھ سات اور سپاہی گنوا دیے جن میں ایک دو افسران بھی شامل تھے۔ غالباً لیفٹیننٹ ولیم گیلئن بھی جو کہ بنگال کی بہتّرویں انفینٹری کا کمانڈر تھا ستائیس دسمبر کو مزاحمت کاروں کی واپسی فائرنگ سے ہلاک کر دیے جانے والے زخموں سے دوچار ہوا تھا اور پھر 20 جنوری 1949ء کو بہت دوا دارُو کے باوجود بھی چل بسا تھا۔

اُنتیس دسمبر تک غیر ملکی جارحیت پسندوں اور خالصہ اتحادیوں نے قلعے سے تقریباً سو گز کے فاصلے پر آگ اُگلنے والی اپنی دو سے تین غضبناک توپیں نصب کر لیں۔ ایک عظیم الشان دلی دروازے کے سامنے، ایک دیہہ دروازے کے سامنے جہاں اگنیو اور اینڈرسن کا قتل ہوا تھا اور

تیسری توپ شہر پناہ کے مضبوط ترین بُرج، یعنی خونی بُرج کے سامنے جما دی گئی۔ مزید برآں اُنہوں نے اپنی خندقوں کے اندر دور مار کرنے والی بڑی بندوقیں بھی قلعے کے رُخ گاڑ دیں۔

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے کہ قلعے پر چاک و چوبند ملتانی دستوں نے خارجی دراندازوں کو یہ سب کچھ اِتنی آسانی سے نہیں کرنے دیا اور شب و روز گولیوں کی برسات جاری رکھی تا کہ اُن کی پیش قدمی کو روکا اور حرب آور بندوبست کو برباد کیا جا سکے۔ یہاں تک کہ جو اتحادی سپاہی خندقوں کے اندر نشانہ باندھنے کے منتظر تھے اُنہیں سر نکال کر جوابی فائر کرنے کے لیے دس بار سوچنا پڑتا تھا۔ اگر ایک سر بھی کہیں دکھائی پڑتا تو درجن بھر گولیاں زناٹے بھرتی ہوئی یا تو اُس کے قریب سے گزر جاتیں یا پھر پکے ہوئے تربوز کی طرح اُن کی کھوپڑی قانچ قانچ کر کے بکھیر دیتیں۔ بند اور ٹیلے، جن کے عقب میں دُشمن موقع کی تلاش میں تھا، جہاں کہیں بھی کوئی چھید، کوئی راہ دکھائی دیتی وہاں وہاں سپاہیوں نے نشانہ باندھ کر مسکیٹری کے دہانے کھول دیے اور برجیوں کے پہلے سے موجود چھیدوں سے بھی نشانہ بازی جاری رکھی۔ یہاں تک کہ ایک درخت جو محض اِتفاق سے قلعے کی دیوار اور برطانوی خندقوں کے درمیاں ٹھہرا تھا گولیوں کے پے در پے جھماکوں سے چھلنی ہو گیا۔ جیسے کوئی بزرگ ہر دو جانب ہوش کے ناخن لینے کی نصیحت کرتے ہوئے کراس فائرنگ میں بھون دیا گیا ہو۔

نظر ڈالنے پر یوں معلوم پڑتا تھا جیسے کسی نے دست و پائے زِین وزمین پر مہندی کے پرنٹ بنا دیے ہوں یا کوئی بُتِ زخم دیدہ اپنی ہی میت پر آنسو بہا رہا ہو۔ ریت اور مٹی کی بوریوں میں، جن کے پشتے قاتلوں نے اپنے تحفظ کے لیے باندھے تھے، جاں گداز سوراخوں سے کُھل گئے جن سے ریت گرم خون کی طرح دَھل دَھل بہنے لگی تھی اور بیسیوں گولیاں بے نشانہ اِدھر اُدھر بکھری پڑی تھیں اور اُن کے بدن سخت جان ڈھالوں سے ٹکرا ٹکرا کر اپنا چہرا مہرہ گنوا بیٹھے تھے۔ مگر نہ ہٹنے ولا، نہ ٹلنے والا ارادہ باندھے دُشمن کے دستے اِنچ اِنچ پلاننگ کے تحت آگے بڑھتے رہے۔

☆☆☆

دسواں باب

برطانوی افواج کے خوفناک حملے اور قلعے کا اِنہدام

30 دسمبر 1848ء کی سہ پہر کو جنرل وہش کے اشارے پر ایک سوچی سمجھی سکیم کے تحت پاؤنڈر گن کا ایک گولہ بہاء الدین زکریا دربار کے سامنے موجود بارُود کے ایک بہت بڑے گودام میں داغا گیا۔ وہ شاید مسجد تھی یا گودام جس میں مُولراج اور اُس کے حفاظتی دستوں نے ایک اندازے کے مطابق 180 ٹن بارود سٹور کر رکھا تھا۔ آتش زدگی اور بارود پھٹنے سے اتنا بڑا دھماکہ ہوا جیسے کوئی جوہری بم پھٹا ہو۔ اُنیسویں صدی کی تاریخ میں اِس دھماکے کو چند ایک بڑے غیر جوہری دھماکوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ (۳۲) نتیجتاً کم از کم آٹھ سَو دفاع کاروں کے جسم بوٹی بوٹی ہو گئے۔ آتش گیر توانائی سے انسانی اعضا کے چیتھڑے پتنگوں کی طرح فضا میں لہرا کر زمین پر آ رہے تھے۔ اُسی دن شام کو شاہی گودام کو بھی نذرِ آتش کر دیا گیا جس میں قریب سات سَو من غلہ اور دیگر اجناس جل کر راکھ ہو گئے اور تیل اور گھی کے بیسیوں کنستر جل اٹھے۔ اس قدر بلند شعلے اُٹھے جیسے شہر میں آتش فشاں اُبل پڑا ہو۔ انگریزی گولہ بارود تب بھی نہ تھما۔ (۳۳) پھر کیا تھا، ہر طرف دہشت اور خوف منڈلانے لگے۔ نیم مردہ لوگ پڑے مرتے سسکتے رہے اور جو زندہ بچ رہے تھے اُنہیں کہیں جائے پناہ نہیں مل رہی تھی۔ ہر طرف بارود کی بُو زہر بن کر ناکوں میں دَم کیے جا رہی تھی۔ مزاحمت دھڑام سے نیچے آ رہی اور یہی ایڈورڈز اور جنرل وہش کی پلاننگ تھی کہ ایک قیامت بپا کر کے عوام اور مزاحمت کاران کو بتایا جائے کہ ''مہذب سامراج'' کی سفاکیت اور بربریت کہاں تک جا سکتی ہے۔ قلعہ مُلتان کی یکلخت کمزور پڑتی ہوئی مزاحمت کو دیکھتے ہوئے جنرل وہش نے ایڈورڈز اور اُس کے ساتھیوں کو 2 جنوری 1849ء کو قلعے پر باقاعدہ اور ایک اور منظّم حملے کا حکم صادر کر دیا۔

اُدھر دربار شاہ شمس سبزواری کو پہلے ہی انگریز اپنی توپوں کے گولے داغ داغ کر بڑی حد تک ضعیف اور داغدار کر چکے تھے جبکہ اِسی طرح کے دوسرے حملوں میں سانول مل کی سمادھی کے در و دیوار تو کسی حد تک محفوظ رہے تھے مگر اُس پر تزئین و آرائش کے لیے کیے گئے کاشی کاری اور کندہ کاری کے کام کو آتش و بارود کے ایک کے بعد ایک حملے نے بے ڈھب اور بدنما بنا ڈالا تھا۔ اِسی رو میں عیدگاہ، ملتان کی بھی اتحادی افواج نے اپنے توہین آمیز حملوں سے بہت بے حرمتی کی۔ خصوصاً اُس کے بیرونی حصے کے حسن و جمال کو اپنے بارودی پنجوں سے نوچ ڈالا، کیونکہ یہی وہ جگہ تھی جہاں پر کمپنی بہادر کے دو کار پرداز انگریزوں (اگینو اور اینڈرسن) نے قیام کیا تھا جب وہ قلعۂ ملتان کو اپنی تحویل میں لینے کے لیے آئے تھے اور باغی سپاہیوں کے غیض و غضب سے مارے گئے تھے۔ لہٰذا اِس جگہ سے انتقام لینا بھی ضروری تھا۔

اِس تمام صورتِ حال کے باوجود، بوڑھا دیوتا ابھی تک اپنے پُر اعتماد قدموں پر ٹھہرا ہوا تھا اور اب بھی دُشمن کی کاری ضربیں اپنے سینے، اپنے قدموں اور اپنے بازوؤں پر روک رہا تھا۔

توپچیوں کی فرسودگی، بندوقوں کی بے مائیگی اور تلواروں کی نارسائی سپوتانِ مولتان کی توانائیاں ڈبونے لگی تھی جبکہ فنی اور تکنیکی لحاظ سے کئی گُنا ترقی یافتہ اور آدم کُش مشینری سے لیس آبادکار نے اندر ہی اندر قبضہ گیر کٹاؤ جاری رکھا اور دو ہفتوں کے اندر ہی قلعے سے خطرناک حد تک قریب اور بھی کئی مورچے بنا ڈالے، ناگ صفت سُرنگ نُما خندقیں کھود ڈالیں اور بندوق بردار جتھوں کے جتھے مزید دوزخ بپا کرنے کے لیے مسموم سوساروں کی طرح زیرِ زمین جمع کر لیے۔ جب دیکھا کہ ملتانی دستوں کی گولہ باری اور گولی بازی ذرا تھم گئی ہے تو اپنے سوچے سمجھے منصوبے کے تحت دیہہ دروازے اور شہر پناہ کے حرم

دروازے اور دِلی دروازے کے اطراف میں بھاری بھرکم گولے داغنے شروع کر دیے۔ دیکھتے ہی دیکھتے قلعے کی آہنی چھاتی کرچی کرچی ہو کر مُنہدم ہونے لگی۔ پہلے کچھ پتھر گرے، پھر کچھ اور، اور پھر دَرودیوار پر اِدھر، اُدھر اِکا، دُکا بارُودی شعلے بھڑک اُٹھے تاہم جلد ہی یخ بستہ ہوا نے اُن کی رگوں میں برف اُنڈیل دی جیسے کسی معصوم لڑکی نے اپنے ننھے ہاتھوں سے آگ کے لانبے لانبے شعلوں کو اپنی سانسوں کے ٹھنڈے جھونکے بخشے ہوں۔ رفتہ رفتہ آگ سر نہوڑا کر بیٹھ گئی جیسے دوبارہ بھڑکنا چاہتی ہو مگر خاکستری بے بسی سے نڈھال ہو۔

شیروں کی طرح دھاڑتی اور ہاتھیوں کی طرح چنگھاڑتی ہوئی توپیں اب کہاں تھمنے والی تھیں۔ دشمن کا بس اشارا ہی ہوا تھا کہ وہ ایک بار پھر قیامت خیز آگ برسانے لگیں۔ شاہ شمس دربار کے اطراف سے بھی دشمن کی آرٹلری نے قدم آگے بڑھائے اور ملتانی سپاہ کے مورچے کچے گھروندوں کی مانند اُکھاڑ پھینکے اور اپنے ہوزروں کے شعلہ وشرر سے چند ایک دفاعی بندوقیں، جو ملتانی سپاہ کے پاس باقی رہ گئی تھیں، آن کی آن میں خاموش کر ڈالیں۔

قلعے کے جنوب مشرق میں خونی بُرج پر اور گرداگرد ''مہذب درندوں'' نے خوفناک گولہ باری کی جس کا مقابلہ کرنے کی سکت وقت خوردہ توپوں میں تھی اور نہ ہی روایتی بندوقوں میں اور خونی برج کی طرف سے قلعے کے پہلوؤں میں رکھے گئے میگزین بھی دھماکے سے اُڑا دیے گئے۔ نتیجتاً دو مقامات پر قلعے کی تنومند دیواریں بُھربُھرا کر ڈھیر ہو گئیں۔ حفاظتی کنگریاں اپنی بادبانی بلندیوں سے اوندھے منہ گر پڑیں۔ قلعے سے باہر راستے میں آنے والے معصوم شہریوں کے کئی مکانات لگاتار فائرنگ سے چھلنی ہو گئے۔ گولہ بارود کی آتش فشانی سے کئی ایک سَر تا پا جھلس کر نہ قابلِ بازیافت ہو گئے۔ بعض کھڑکیوں سے شعلے اژدھوں کی طرح باہر لپک لپک کر ہمسایہ دَرودیوار اور اُن کے مکینوں کو نگلنے کی کوشش کر رہے تھے۔ درجنوں دروازوں سے دھوئیں کی چادریں ہوا میں پھڑ پھڑا کر داد و فریاد کر رہی تھیں۔ خالی میگزین اور مُنحنی خولوں کے

بِڈی دَل حویلیوں، برآمدوں اور گلیوں میں رینگ رہے تھے۔ کچھ مردہ، کچھ نیم مردہ اور اَن گنت کُبڑی ڈھالوں اور معزول بندقوں کی حرکتِ قلب بند ہو چکی تھی۔

بیچوں بیچ چمکتے دمکتے مزین میناروں والی نہایت دیدہ زیب ایک چھوٹی سی مسجد پڑتی تھی جسے استعمار کی ہوسِ ملک گیری نے گھٹنوں تک شکستہ ریز کر ڈالا۔ گنبد کی ہری ہری چھاتیاں مسلسل فائرنگ کی زد و کوب سے نیلی نسواری پڑ گئی تھیں۔ دیواروں میں پڑی بڑی بڑی دراڑیں اپنے کھلے ہوئے مونہوں سے لا اُمید آہ و زاری کر رہی تھیں۔ چھتوں کے گڑھے تازہ ہل چلائے ہوئے کھیت کا منظر پیش کر رہے تھے اور مسجد کے اندر باہر ہندوستان بھر میں معروف ملتانی معماروں کی محنت اور محبت سے کی گئی کاشی کاری، زیب و زینت، پھول بُوٹے اور شاہکار خطاطی میں لکھے فارسی اشعار اور آیتیں پپڑیاں بن کر اُکھڑ چکی تھیں۔ قریب تھا کہ ساری مسجد دھڑام سے گر کر ملبے کا ڈھیر بن جائے اور قلعے کے اندر باہر مسلمانوں کے پاس صفِ ماتم بچھانے کے سوا کچھ باقی نہ بچے۔

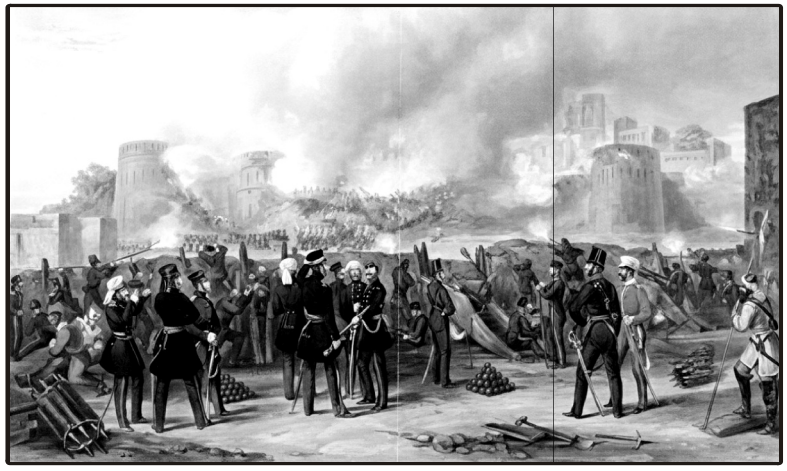

2 جنوری 1849ء جب قلعے کی دیوار گرنے لگی

ملتانی سپاہ کی بتدریج کم ہوتی ہوئی قوت اور مزاحمت کو دیکھ کر دشمن کے خون کے پیاسے دستے خونی بُرج کے شمال مشرق میں ایک اور اونچے ٹیلے ''مُند یاوہ'' پر چڑھ گئے، چوٹی پر ہوزرز پلانٹ کئے اور بُرج کی داہنی اور باہنی دیواروں پر بلاتعطل کچوکے لگانے لگے۔ قلعے کے رفتہ رفتہ مضمحل ہوتے دست و بازو پر کمپنی کی چھ توپوں نے پَے در پَے مزید نشانے داغے۔ کئی روز کی مسلسل گولہ باری سے قلعہ کُہنہ کے مزخوم پاؤں لرزنے لگے۔ لیکن فی الحال وہ اپنا توازن برقرار رکھے ہوئے تھے۔ دُشمن کے انجینئرز نے تھک ہار کر یہ اختراع کی کہ جہاں جہاں سے قلعے کی منڈیریں خستہ اور شکستہ پڑ گئیں تھیں، اُنہی مقامات پر اپنے توپچیوں کو ہدف پر جا کر پھٹ جانے والے فیوز ڈالنے اور شیل پھینکنے کو کہا۔ اس قدر نپی تلی اور تباہ کُن تکنیک کی وجہ سے منڈیروں کی خستگی اور دراڑیں شگافوں میں بدلنے لگیں اور پھر شگافوں کا رُخ پھٹی ہوئی جلد کی طرح اُوپر سے نیچے کی طرف بڑھنے اور پھیلنے لگا اور دیوتا بدن قلعہ کے گھاؤ گہرے ہونے لگے۔

جب بھی کوئی شَیل اَلنگ اور فصیل پر گرتا، دھماکے سے پھٹ جاتا اور کئی فٹ نیچے تک فِیل جُثہ دیواروں کے تودے روئی کے گالوں کی طرح اُڑا اُڑا لاتا۔ اِس پر مستزاد یہ کہ دشمن کے چیرہ دست ٹیکنیشنز نے ساڑھے دس اِنچ کے درجن بھر ہوزرز دِلی دروازے کے سامنے اور بائیں جانب فکس کر کے یکے بعد دیگرے گولے مارنا شروع کر دیے۔ دیکھتے ہی دیکھتے قلعے کی دیوار میں پڑے شگاف اتنے کُھل گئے کہ اب سنگدل دشمن کی افواج بظاہر اندر داخل ہو سکتی تھیں۔ مگر ایسے جیسے اُنہیں کوئی ناہموار کوہستانی درّہ کراس کرنا ہو۔ مگر اُن کی حیرت کو اِس شگاف سے داخلے کو روکنے کے لیے راہ میں قلعے کی بنیاد سے تھوڑے اُوپر بھاری بھرکم پتھروں کی ایک اور ترتیب وار ڈھلوانی بنیاد بنائی گئی تھی اور شاید یہ اِس قدیم اور قوی ہیکل قلعے کے قدم تھامنے والے آخری دستِ سنگ و آہن تھے، جن کو شکستہ کرنے کے

لیے دشمن نے بارود بردار ایک اور بیٹری تیار کی، جس میں شامل ہوزر اور شیل پھینکنے والی دَس پاؤنڈر گنیں بھی شامل تھیں۔ کچھ مزید بڑی بندوقوں کو بھی سامنے والی خندق کے کنارے پر نصب کر دیا گیا اور پھر اُوپر تلے دھماکے دار وار کر کے قلعے کی ناف چاک کر دی گئی۔ اِس عمل کے تسلسل سے شگاف دیوتا کے پنڈلیوں تلک بڑھ گیا۔

دراصل قلعے کی ڈھلوان اور بیرونی زمین کے درمیان بہادرانِ ملتان نے تحفظ کے پیشِ نظر جو خندقیں کھود رکھی تھیں اُن کا اندازہ دشمن کو نہیں تھا۔ ابھی ایک دستہ آگے بڑھا ہی تھا کہ اُس کو پیچھے ہٹنا پڑا کیونکہ خندق گہری اور پاٹ چوڑا تھا۔ ابھی بھی آسانی سے قلعے کے اندر داخل ہونا ممکن نہیں تھا۔ یہ رکاوٹ دُور کرنے کے لیے اُن کے زیرک انجینئرز نے ڈھلان کو بھی دھماکے سے اُدھیڑ ڈالا۔ مٹی کے بڑے بڑے تودے مردہ سپاہیوں کی مانند خندقوں میں لُڑھکتے ہوئے گر پڑے اور پھر تازہ مٹی کا ایک ضعیف سا پُل بن گیا۔ مگر بہت خلا اب بھی باقی تھا۔ بالآخر 19 جنوری 1849ء کو جنرل وہش اور کارٹلینڈ کے حکم پر رنگروٹوں نے اِردگرد سے ریت، مٹی اور ملبہ وغیرہ اٹھا کر خندقوں کی بھروائی شروع کر دی۔ تین دن بعد بائیس جنوری کو قلعے کے اندر داخل ہونے کا راستہ کافی آسان ہو گیا۔

اب یہ بات حیران کُن نہیں رہی تھی کہ اِس دوران قلعے سے نہ کوئی گولا پھینکا جا رہا تھا اور نہ یا کوئی گولی فائر کی جا رہی تھی۔ مولراج کا حفاظتی دستہ تھک ہار کر بیٹھ چکا تھا یا اُس کے بیشتر جوان مارے جا چکے تھے، نو ماہ کی مسلسل مزاحمت سے ملتانی سپاہ کی سانسیں اُکھڑ چکی تھی اور قلعہ بند مزاحمت کاروں کی مزاحمت دم توڑ چکی تھی۔ شاید اب اُن کا اسلحہ اور ہمت دونوں جواب دے چکے تھے۔ دشمن کے ٹیکنیشن، فوجی، انجینئرز اور رنگروٹ ملتا جلتا عمل دیہہ دروازے اور خضری دروازے کی سمت بھی دُہرا رہے تھے جہاں پر اُنہوں نے تقریباً سَو گز کے فاصلے پر تباہ کُن بیٹریاں اور تیر بہ ہدف پاونڈر گنز نصب کیں اور دشمن نے دِلی دروازے

کے سامنے کی طرح یہاں بھی آگ اور ایمونیشن سے قلعے کے مقعد کھول کر رکھ دیے تھے اور پھر اپنے ایک سے بڑھ کر ایک خوفناک حملے سے دو ایک دنوں کے اندر اندر یہاں سے بھی قلعہ کے شانوں سے لے کر تلووں تک دفاعی دیواروں کو بھنبوڑ ڈالا تھا۔ یہاں تک کہ باہر ٹھہرے ٹھہرے ہی اُنہیں فصیلِ شہر کے اندرونی بازار اور گلیاں صاف دکھائی دینے لگیں۔ دراندازحملہ آور اب تینوں شگاف زدہ راستوں سے سیدھے قلعہ کے اندر وارد ہو سکتے تھے۔

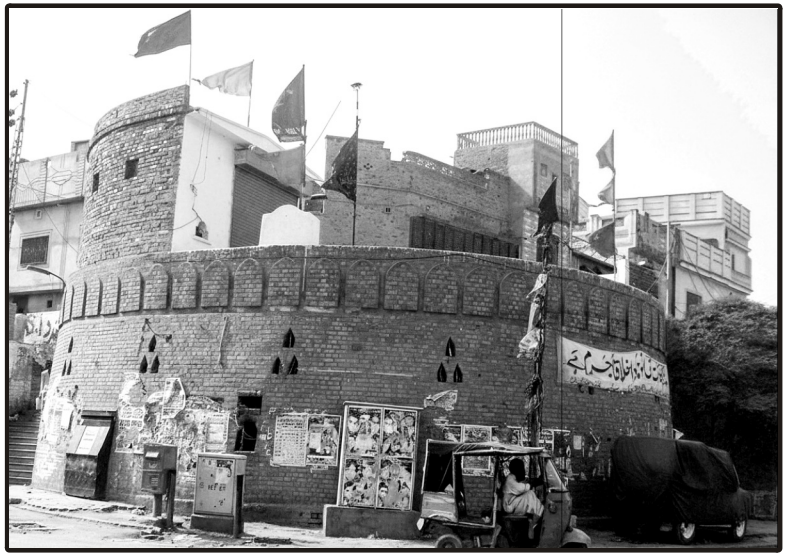

قلعہ ملتان کا ایک عظیم برج: معروف بنام خونی برج

☆☆☆

گیارہواں باب

محاصرۂ ملتان میں اَشرافیہ کا کردار

1818ء میں نواب مظفر خان کی حتمی شکست اور ملتان پر رنجیت سنگھ کی حکمرانی قائم ہونے کے ساتھ ہی رنجیت سنگھ کے حکم پر اُس کے مقرر کردہ صوبیداروں نے یکے بعد دیگرے ملتان کے نوابوں، جاگیرداروں، پیروں اور سجادہ نشینوں سے اُن کی مراعات اور مظفر خان اور اُسے پہلے کے فرمانرواؤں کے فراہم کردہ وسائل ضبط کرنا شروع کر دیے۔ پٹھان ہونے کے ناطے نواب مظفر خان نے جو گیزئی، علیزئی اور سدوزئی قبائل کو بھی جو مراعات اور وسائل دے رکھے تھے، رنجیت سنگھ کے کارداروں نے وہ ساری سہولیات اور مراعات اُن سے چھین لیں۔ وقفِ املاک کی جو بھی زمینیں اور پیداواری ذرائع دربار سے منسلک پیروں اور سجادہ نشینوں کے پاس تھیں، اُن پر بھی خالصہ ہرکاروں نے قبضہ جما لیا۔ یہی وجہ ہے کہ دیوان سانول مل، مولراج اور اُن سے پہلے مختصر مدت کے لئے مقرر کردہ صوبیداروں سے مسلمان اُمراء و عمائدین کے تعلقات کچھ زیادہ اچھے نہ رہے تھے اور ساتھ ہی ساتھ جبراً بے تحاشا محاصل وصول کرنے کے سبب کچھ چھوٹے زمینداروں اور کسانوں کے دل میں بھی طویل عرصے سے یہ رنجش باقی تھی۔ کچھ کچھ اطلاعات مسلم عبادت گاہوں مثلاً دربار پر آنے والے زائرین کی مشکلات اور نماز روزے میں دشواریاں پیدا کرنے کی بھی ملتی رہتی تھیں۔ چاہے یہ صورتِ حال شدید تھی یا نہیں مگر سِکھ حکمرانی کے خلاف سیاسی مخالفت کے ساتھ ساتھ مذہبی رنجش بھی خاص و عام کے دل میں جاگزیں تھی۔ تاہم جملہ امنِ عامہ قائم کرنے اور کاروبار کو فروغ دینے کی وجہ سے، خواص کو چھوڑ کر، بہت سے لوگ اور خاص طور پر اندروں شہر رہنے والے کاروباری، تاجر، ہندو ہنرمند اور ساہوکار کم از کم

سانول مل اور مولراج کو بہت زیادہ پسندیدگی کی نگاہ سے بھی دیکھتے تھے۔ اِسی لئے جب ایسٹ انڈیا کمپنی نے ملتان کا محاصرہ کیا بہت سے عام شہریوں نے، جیسا کہ گزشتہ حالات و واقعات سے دکھایا گیا ہے، مولراج کے ساتھ تن من دھن کے ساتھ تعاون کیا۔ جبکہ آغاز ہی سے نمایاں خانوادوں، پیروں اور نوابوں نے ایسٹ اِنڈیا کمپنی کے برطانوی فوجی افسران کا ہر طرح سے ساتھ دیا۔ خاص طور پر سپاہِ ملتان کے اِرادوں، افرادی قوت، منصوبوں اور مقامات کے بارے میں خفیہ اطلاعات فراہم کرنے میں۔ گویا وہ ایسے کسی وقت کا انتظار ہی کر رہے تھے جب سکھوں اور اُن کے ہندو گورنروں کا تختہ اُلٹا جا سکے۔ (۳۴)

مقبول و معروف بہاءالدین زکریا اور اُن کے پوتے شاہ رکن الدین کی اولادوں میں سے شاہ محمود قریشی (سابقہ) نے بھی سقوطِ ملتان میں ایسٹ انڈیا کمپنی کا بھرپور ساتھ دیا۔ وہ اُس وقت سہروردی سلسلے کے مزاروں کے خلیفہ اور سجادہ نشین تھے۔ قریشی خاندان کے مقرر کردہ ہرکارے میجر ایڈورڈز، لیفٹیننٹ لیک اور جنرل وہش کو مولراج اور ملتانی سپاہ کی پوزیشن، اسلحہ اور معلوم شدہ حکمتِ عملیوں کے بارے میں بروقت آگاہ کرتے رہے اور جہاں جہاں ممکن ہوا وہاں خود بھی شاملِ منصوبہ و مشاورت رہے اور گزرگاہوں میں سہولت فراہم کی۔ علاوہ ازیں اُنہوں نے اپنا اثر و رسوخ استعمال کرتے ہوئے ایسٹ انڈیا کمپنی کی یلغار کے حق میں رائے عامہ ہموار کی اور بہت سے ایسے جوانوں کو روکا اور منع کیا جو دفاعِ ملتان کے لئے اپنی عسکری خدمات فراہم کرنا چاہتے تھے۔ لیفٹیننٹ ایڈورڈز نے سیدوں، پیروں اور سجادہ نشینوں سے مولراج کی بغاوت کچلنے کے بعد اُن کی مصلوبہ مراعات واپس کر دینے کا وعدہ کیا۔ اُس نے فوجدار خان علیزئی کو بھی محاصرے کے آغاز میں ہی لکھا کہ وہ ایسٹ انڈیا کمپنی اور برطانوی تسلط بارے عوام میں شُبھ، شُبھ گفتگو کرے اور جنگ کے دوران اُن سے تعاون کرے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کی اعلیٰ قیادت اور ریذیڈنٹ لاہور ہنری

لارنس نے بھی ممکنہ فتح کے بعد نہ صرف اُن کو سابقہ مراعات واپس کرنے بلکہ ہزاروں ایکڑ اضافی زمینیں اور بہت سارا روپیہ پیسہ دینے کا وعدہ کیا۔

خاکوانی پختونوں کے آباؤ اجداد احمد شاہ ابدالی کی ملتان پر حکمرانی کے دور (1752-1771ء) میں ملتان کے گورنر اور حکمران رہے تھے تا آنکہ رنجیت سنگھ نے 1818ء میں پختون حکمرانی کا خاتمہ کیا، لہٰذا خاکوانی خاندان بھی اپنی ذاتی رنجش کی بِنا پر ہندو اور بالراست سِکھ حکمرانی کی بیخ و بُن کرنے کو بے تاب تھے۔ اُنہیں میں سے ایک یعنی مصطفیٰ خان خاکوانی کاردار ہونے کے ناطے پہلے پہل اپریل مئی 1848ء تک مولراج کے معاونِ کار رہے لیکن جون میں جب مولراج نے اُسے مذاکرات کرنے کے لئے لیفٹیننٹ ایڈوّرڈز کے پاس بھیجا تو ایڈوّرڈز نے بعد از جنگ اُن کی مراعات واپس کرنے کی پیشکش کر کے اُنہیں شیشے میں اُتار لیا۔ پُرکشش پیشکش دیکھ کر اُس نے اپنی وفاداریاں بدل لیں اور پھر اپنے عہدہ جات اور کھویا ہوا وقار دوبارہ حاصل کرنے کے لئے لیفٹیننٹ ایڈوڑڈز اور جنرل وان کارٹلینڈ کا ساتھ دینا شروع کر دیا۔ یعنی اپنے تئیں وہ خالصہ حکومت کے خلاف نبرد آزما تھے مگر پیشِ نظر بہت سی املاک، اعزازات اور زمینیں بھی تھیں۔ غلام مصطفیٰ خان خاکوانی اور اُس کے ایک قریبی رشتہ دار غلام سرور خاکوانی نے محاصرے کی معاونت میں عملی طور پر بھی نہایت اہم کردار ادا کیا اور اپنی عسکری خدمات تک فراہم کیں۔ بلکہ وہ سدوسام کے میدانِ کارزار کی جھڑپوں میں اَگلے مورچوں پر جا کر لڑنے کی وجہ سے زخمی بھی ہو گیا۔ (۳۳)

ملتان کے ایک اور قبائلی سردار فوجدار خان علیزئی نے محاصرے کے شروع میں ہی ہوا کا رخ بدلتے دیکھ کر اپنی وفاداریاں مولراج کی معیّت سے اُٹھا کر ایسٹ انڈیا کمپنی اور خالصہ اتحادیوں کے دامن میں ڈال دیں اور پھر مولراج کی پسپائی اور قلعے کی شکست و ریخت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اُس نے کئی پٹھانوں کو مُولراج کا ساتھ دینے سے منع کیا۔

ڈیرہ جات کے پختون سرداروں کو کمپنی بہادر سے تعاون کرنے پر مائل اور قائل کیا۔ اپریل اور مئی کے ابتدائی ہفتوں میں جب ایسٹ انڈیا کمپنی کے دستے افواجِ ملتان کے پے در پے کامیاب حملوں سے چھپتے پھرتے تھے، فوجدار خان نے اُن کو سنبھلنے میں مدد دی اور پٹھان لڑاکے اور گھڑ سوار تیار کئے۔ اُس کی سہولت کاری اِس قدر اہم تھی کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے عسکری منصوبہ ساز فوجدار خان کو اپنا دستِ راست شمار کرتے تھے اور شاید اُس کے تعاون کے بغیر کمپنی کے دستے شروع میں ہی بکھر چکے ہوتے۔ کیونکہ یہ فوجدار خان علیزئی ہی تھے جنہوں نے لیفٹیننٹ ایڈوّرڈز کے لئے آغاز میں ہی مولراج مخالف غیر رسمی دستے تیار کروائے، محاز آرائی کے راستے اور مؤثر مقامات تجویز کئے اور یہ بتایا کہ کب آگے بڑھنا ہے اور کب پسپائی اختیار کرنی ہے۔ (۳۵)

فتحِ ملتان کے بعد پنجاب کی برٹش انتظامیہ نے حسبِ وعدہ معاونین خانوادوں کو بہت اِنعام واکرام سے نوازا۔ مخدوم شاہ محمود قریشی کو دربار سے منسلک تمام زمینیں لوٹا دی گئیں، خلعتِ فاخرہ، ایک ہزار روپیہ سالانہ پنشن اور بحالیِ موجب کا اہتمام بھی کیا گیا۔ (۳۶) حملے کے بعد نقصان کا ازالہ کرنے کے لئے دونوں خانقاہوں کی دوبارہ تعمیر اور مرمت کے لئے دس ہزار روپے کی الگ سے منظوری دی گئی۔

1818ء سے ہی سکھا شاہی ریاست بہاولپور کی آزادی اور خودمختاری کے خلاف تھی۔ یہی وجہ ہے کہ بہاول خان عباسی (سوئم) تقریباً 1833ء سے ہی ایسٹ انڈیا کمپنی کے ساتھ دامے، درمے اور سخُنے تعاون کر رہے تھے۔ جوں ہی معرکے کا آغاز ہوا اُنہوں نے اپنا فوجی دستہ فراہم کرنے کی پیشکش کر دی۔ اُن کو اپنے فوجی دستے اور سیاسی تعاون فراہم کرنے کی ضمن میں خلعتِ فاخرہ، دو ہزار روپیہ سالانہ پنشن اور ایک باغ عطا کیا گیا۔ موصوف بھی یقین رکھتے تھے کہ سکھ اور خالصہ حکمرانی کے خاتمے کے لئے برطانوی اہلِ کتاب عیسائیوں کے ساتھ تعاون کرنا اُن کا فرض ہے۔ (۳۷)

میلسی (موجودہ وہاڑی اور اُس وقت ملتان کی تحصیل) کا ہزاروں ایکڑ رقبہ مصطفیٰ خان خاکوانی کو معاوضے کے طور پر عطا کر دیا گیا بلکہ اُسے خان بہادر کا خطاب دے کر کے عارضی طور پر گورنر ملتان بھی تعینات کر دیا گیا۔ کچھ سال بعد بھی لارڈ ڈلہوزی اُس پر ایسے مہربان رہے کہ اُسے ''نواب'' کا اضافی ٹائٹل بھی مرحمت کر دیا جو ہمیشہ کے لئے اُن کے خاندان میں وراثتی سفر کرتا رہا۔ اُس کے بیٹے محمد نواز خان کو بعد میں ڈیرہ اسمٰعیل خان کا سرادر بنا دیا گیا۔ نہ صرف یہ بلکہ تھوڑے ہی عرصے بعد بخش دی گئی زمین سے زیادہ سے زیادہ پیداوار حاصل کرنے کے لئے ''حاجی واہ نہر'' بنانے میں اُس کی معاونت کی۔ دو تین دہائیوں کے اندر اندر نواب مصطفیٰ خان کے پوتے پڑپوتے میلسی کے بہت بڑے جاگیردار بن چکے تھے۔ اُن کے سیاسی اثر ورسوخ میں کئی گنا اضافہ ہو چکا تھا اور وہ بہت سے سیاسی اور سماجی معاملات میں ثالثی کا کردار ادا کرنے لگے تھے۔ (۳۸)

فوجدار خان کو تاجِ برطانیہ کی طرف سے خان بہادر کا خطاب عطا کیا گیا اور اِس کے فوری بعد نواب کے ٹائٹل سے بھی نواز دیا گیا اور پھر ایک بہت بڑی جاگیر، ایک باغ اور مع نو ہزار چھ سو روپیہ ماہانہ بھی حضرت کے مِلک کر دی گئی اور علاوہ اِس کے چار ہزار روپیہ پنشن ہر برس کی بھی مقرر کر دی گئی۔ بعد میں وہ پنشن کے بدلے کئی مواضعات لے کر ڈیرہ اسمٰعیل خان لوٹ گیا اور یہ سب کچھ اُنیسویں صدی کے وسط میں شاہانہ ٹھاٹھ کے ساتھ زندگی گزارنے اور آنے والی نسلوں کے لئے بہت کچھ چھوڑ جانے کے لئے بہت تھا۔ (۳۹)

درج بالا روّیے اور رجحان دیکھتے ہوئے یہ کوئی اچنبھے کی بات نہیں ہے کہ 1857ء کے غدر المعروف جنگِ آزادی کی لہر کچلنے میں بھی ایسی تمام اشرافیہ نے ایک بار پھر برطانوی سامراج کا بڑھ چڑھ کر ساتھ دیا۔

☆☆☆

بارہواں باب

اندرون شہر کا ہولناک منظر

پھر کیا تھا، 22 جنوری 1849ء کی سیاہ بخت سہ پہر کو برطانوی کمانڈرز، جرنیل، لیفٹیننز اور غلام صفت پیادے تاتاری گھوڑوں کی مانند دندناتے ہوئے قلعہ بند ملتان شہر کے اندر گھس آئے اور کچھ رکاوٹوں کو عبور کر کے اندرونی ڈھلوان کی طرف راستوں کو پیلتے ہوئے شہر کی گلیوں، محلوں اور مکانوں کے اطراف میں پھیل گئے۔

آخر کار 'اگینو' اور 'اینڈرسن' پر بھی تو اِسی قلعے کے ایک دروازے میں شاید مولراج کے حکم اور خواہش کے خلاف مقامی جوانوں نے اشتعال میں آ کر جان لیوا حملہ کیا تھا۔ یہی وہ دروازہ اور اِس کی پُلی تھی جس پر گوروں کو پیچھے دھکیلنے کی پہلی کوشش میں ملتانی سپاہ نے کمپنی کے کئی جوانوں کو ٹھکانے لگا دیا تھا اور اب بھی کئی تلواریں، ڈھالیں، خنجر، برچھیاں، بندوقیں، مسکیٹیں اور پستول نیچے اور دائیں بائیں گزرنے والی خندق میں اوپر تلے بے خود، بے سدھ پڑے تھے اور اوپر گزرنے والے سپاہیوں کے دِلوں میں ماضی کا خوف اور مستقبل کی ہوس بیک وقت مرتعش تھے۔ یہی صورت حال شاید اُن سپاہیوں کی بھی تھی جو اُن دو شگافوں سے گزر کر آئے تھے جہاں سے پہلے کچھ دستے داخل ہوئے تھے اور پھر تمام کے تمام۔

قلعے کے اندر بچے کھُچے مفلوک الحال انسانوں کے ہوتے ہوئے بھی ہُو کا عالم اور برزخ کا سماں تھا۔ آج نہ کسی طرف سے کوئی گولی آئی، نہ کوئی نیزا اُٹھا۔ نہ کوئی تلوار لہرائی، نہ کوئی سنگین سنسنائی۔ نہ کوئی یسّاول، نہ کوئی جَسول، نہ کوئی چوبدار نہ داروغہ، نہ کوئی گھات نہ کوئی شب خون، پھر بھی برٹش کمپنی کے غاصب افسران، فتنہ سامان، پھونک پھونک کر قدم رکھ رہے تھے۔ اُن کے اعصاب واحساس پر سوار نو مہینوں کا خوف ٹوٹتے ہوئے بخار

کی طرح اب بھی اثر پذیر تھا۔ ہر قدم پر کھٹکا لگا ہوا تھا کہ ابھی کوئی سپاہی، کوئی جانثار، کوئی شہری، کوئی دکاندار، کوئی تاجر، کوئی کسان، کوئی کاریگر یا پھر کوئی ضعیف عورت یا بوڑھا مرد بیلچہ، کدال، درانتی، پھاوڑا یا پھر سبزی کاٹنے والی چھری ہی لے کر اُن کا پیٹ پھاڑ ڈالے گا۔ کچھ نہیں تو کسی چھت سے کوئی پتھر ہی اُن کی کھوپڑی کھول کر رکھ دے گا یا پھر مخدوش مکانوں کی کسی اوٹ سے کُود کر کوئی منتقم لڑکا، کوئی زخمی مجاہد، کوئی نیم مردہ جوان، کوئی عام باشندہ کسی کی بھی گردن اُڑا سکتا تھا۔

جیسے جیسے وہ آگے بڑھتے گئے، اُنہیں یقین ہوتا گیا کہ فتح مکمل ہے اور دھیرے دھیرے اُن کے بازو متحرک، چھاتیاں سیدھی اور گردنیں اونچی ہوتی چلی گئیں۔ در و دیوار، گلیوں، بازاروں، مسجدوں اور میناروں، مندروں اور گُردواروں اور مخدوش مساکن کا قریبی نظارہ کر کے اُن کو اندازہ ہونے لگا کہ ملتانی سپاہ اور مقامی مزاحمت کاروں کی کمر ٹوٹ چکی ہے۔ فتح بالکل مکمل ہے۔ مزاحمت کے اِمکانات باقی نہیں رہے۔ جوان، جو پہلے پہل اَندر داخل ہوئے، اُنہوں نے صورتِ احوال تسلی بخش پا کر باہر منتظر برطانوی افسران اور سپہ سالاران کو اشاروں سے اندر بُلا لیا۔ پھر دائیں بائیں بچھی ہوئی مَردوں، بچوں اور عورتوں کی لاشوں کے درمیان ایک دوسرے پر توصیف و تعریف کے ڈونگرے برسائے گئے اور تالیاں پیٹی گئیں۔ (۴۰) پس منظر میں قلعے کی تختہ بہ تختہ، ملبہ بہ ملبہ حالت موت کا منظر پیش کر رہی تھی۔ برِصغیر ہند کے آخری مفتوحہ قلعے کے اندر جا بجا انگریز سفاکیت کی خونچکاں داستان رقم تھی۔ کہیں پوری، کہیں ادھوری لیکن فتح ایک دم مکمل تھی۔

بندوقیں اور بھالے، برچھیاں اور تلواریں، تیر و تفنگ اور مُنجنیقیں اور اِس کے علاوہ جو بھی چھوٹے بڑے ہتھیار مزاحمت کار استعمال کرتے رہے تھے سب بے ہنگم، بے ترتیب اِدھر اُدھر، یہاں وہاں بے بس اور ناکارہ پڑے تھے اور اُن کے لبوں سے شکست

کے نوحے رواں تھے۔ بندوقوں اور مسکیٹوں کی گولیوں اور بارود خوردہ شیلوں اور گولہ بارود نے شاید کسی چیز اور کسی ذی روح کو سلامت نہیں چھوڑا تھا، کئی مقامات پر انگریزی شیلوں اور گولہ بارود نے سپاہِ ملتان کی توپوں کو ناکارہ بنا دیا تھا۔ ہر دوسری جگہ خاک اور راکھ کے ہیولوں میں بدل چکی تھی۔ تنگ ہمسائیگی میں بنے زیادہ تر مکانات ملبے کا ڈھیر بن چکے تھے اور بے بس مکین زندہ درگور۔ کہیں کہیں سَنسناتی ہوئی گولیاں درختوں، دیواروں اور شہتیروں کے بدن میں چھید کرتی ہوئی ذرا آگے جا کر رُک گئی تھیں، یوں جیسے کسی کٹے پھٹے لہو رِستے جسم کو جراح دورانِ جراحی ادھورا چھوڑ کر آگے بڑھ گیا ہو۔ بے رحم شَیل اور قاتل گولیاں، گلیوں اور دالانوں میں بکھرے پڑے تھے، ایسے جیسے معمولی اینٹ پتھر اور روڑے جا بجا پھینک دیے گئے ہوں۔ بارود کے شعلوں نے مرمریں گوروں کے کالے کرتوت شہر کی تمام دیواروں پر پرنٹ کر ڈالے تھے یا پھر ان کے کرداروں کے گریفٹی بنا ڈالی تھی۔

باغیوں کی منجنیقوں کے اپنے ہی پھینکے ہوئے بڑے بڑے ایسے گولے بھی اِدھر اُدھر پڑے تھے جو اپنے ہدف تک پہنچنے میں ناکام رہے تھے۔ قلعے کے اندر کا باغ خِشت و خاشاک اور دھواں اُگلتی راکھ کی تمثیل بن کر رہ گیا تھا۔ داغی گئی گولیوں اور شَیلوں نے یہ حال کر دیا تھا جیسے دریا کنارے جنگلی سؤروں نے آپس میں لڑ لڑ کر بیلے کی ساری زمین اُوپر تلے کر ڈالی ہو۔ حرم دروازے کے شگاف کے نزدیک ایک توپ، ہر چند کہ چوکنا، مگر تھکے ہارے انداز میں اپنے بازو پیچھے کو پھیلائے اور مَزل آگے کو بڑھائے ایسے کھڑی تھی جیسے ابھی ابھی فاتحانہ چال چلتے ہوئے جارح برطانویوں کا تعاقب کر کے اُنہیں اپنے شعلہ اوصاف دھاکوں سے بھون ڈالے گی۔ اکثر گھروں کی چھتیں بیٹھ چکی تھیں، معبدوں کی منڈیریں رُسوا ہو ہو کر زمین پر آ رہی تھیں۔ کئی ایک گھر گھٹنوں کے بل اور کئی دوسرے پیٹ کے بل مَرے پڑے تھے۔ گلیوں، بازاروں اور دُکانوں کے راستے اینٹ، پتھر اور گارے مٹی کے تودے گرنے کی

وجہ سے مسدود ہو چکے تھے۔ نکاسیِ آب کی روانی بند ہونے کی وجہ سے بلند ہوتا ہوا پانی نئی راہ تلاش کرنے کی کوشش میں چھوٹی بڑی رکاوٹوں سے سر پھوڑ رہا تھا۔

کیا گلیاں، کوچے اور محلے، کیا صحن اور دالان، کیا اندر، کیا باہر، کیا چھتیں اور کیا الَنگ، سارا اندرون شہر انسانی لاشوں یا پھر اُن کے اعضا سے پَٹا پڑا تھا، خشک لہو کے مجرد نشان بیرونی حملہ آوروں کے جبر و طمع کی اکیسویں کہانی سنا رہے تھے۔ سارے میں پھیلے ہوئے جواں سال جسموں کا تعفن دماغوں کی پُولیں ہلا رہا تھا۔ ہزاروں کی تعداد میں ایسے لوگ بھی تھے جو ابھی تک زخموں سے بے حال تڑپ رہے تھے، کراہ رہے تھے۔ کسی کا زخم معمولی نہیں تھا۔ نہ وہ زندہ تھے، نہ مُردہ۔ چند عورتیں اور بچے یا پھر کمسن جوان اور کمزور مرد جو بچ رہے تھے، بھوک یا بیماری سے بِلک رہے تھے۔

ایک باریش آدمی ایک گورے افسر کی مِنت ترلا کرتے ہوئے نظر آیا کہ وہ اس کی بیوی اور بیٹی کو نقصان نہ پہنچائے مگر اُس نے ذرہ برابر ترس نہ کھاتے ہوئے آن کی آن میں اسے شوٹ کر دیا اور پھر شاید اس کی بیوی اور بیٹی میں سے ایک یا دونوں کی عصمت دری کی۔ (۴۱) ایسے میں کمپنی کے ایک عسکری کی نظر ایک جواں سال دوشیزہ پر پڑی جو بھوک، پیاس اور خوف و ہراس سے کپکپاتی اپنی ماں کے پہلو سے لگی بیٹھی تھی۔ وہ اُن کے پاس گیا تو وہ دونوں مزید گھبرا گئیں۔ لیکن رتی برابر ترس نہ کھاتے ہوئے اُس نے لڑکی کو اُس کی ماں کے پہلو سے ایسے کھینچا جیسے وہ بچی کو اپنی ماں کی کوکھ سے نکال رہا ہو اور پھر اس کی ماں کے سامنے بڑی بے دردی سے اُس کی آبرو ریزی کی (۴۲)۔

کمپنی افواج کے اُس وقت کے جدید اور بڑے پیمانے پر تباہی پھیلانے والے اسلحے نے انسان، حیوان، چرند پرند، کسی چیز کو سانس لینے جوگا نہیں چھوڑا تھا۔ میدانوں، گلیوں اور طویلوں کے اندر سینکڑوں کی تعداد میں گائیں، گھوڑے، بکریاں اور بھیڑیں مردہ

پڑے تھے۔ کچھ کے پیٹ بے طرح پھولے ہوئے تھے اور کچھ کے پھٹ چکے تھے۔ بہت سے پالتو کُتے بھی اپنے مالکوں کے ساتھ بارود کی زد میں آ کر مر چکے تھے جو باقی بچے تھے وہ انسانی اور حیوانی لاشوں کا سڑاند زدہ گوشت نوچ نوچ کر اپنی بقا کی جد و جہد کر رہے تھے اور اُنہیں سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ یہ ساری حواس باختگی، ساری سراسیمگی کیا تھی۔ وہ پاگلوں کی طرح بھونکے جا رہے تھے۔ گھبراہٹ میں چند ایک دراندازوں نے کچھ کو اپنی گولیوں سے خاموشی کی نیند سلا دیا۔

گلیوں اور گھروں کے اندر معدودے چند گرتے پڑتے، لنگڑاتے، لڑکھڑاتے مدقوق لوگ ہی باقی رہ گئے تھے اور جتنے بھی باقی تھے، عورتیں، مرد، بچے اور بچیاں سب کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ گویا سب کے سب جزوی یا مکمل طور پر زخمی اور لاچار تھے یا پھر بھوک سے نڈھال اپنی آخری سانسیں گن رہے تھے۔ نہ کوئی طبیب باقی بچا تھا، نہ کوئی نان بائی اور طباخ، نہ ہی کوئی سبزی اور پھلوں والا، نہ کوئی خوانچہ فروش، نہ کوئی پنسار، نہ کوئی معمار، نہ کوئی سکلیگر اور نہ کوئی کاشی گر، نہ کوئی دہقان، نہ کوئی حرف شناس، گندم، چاول، دالیں، باجرہ، مکئی اور دوسری اجناس کے ذخیرے بھسم ہو چکے تھے یا ناقابلِ خوردنی حد تک زنگیدہ اور زہر آلود۔ گھروں میں یا تو پکانے والے باقی نہیں بچے تھے یا پھر کھانے والے۔ آنکھ اُٹھانے پر ہر طرف بکھری ہوئی چھوٹی بڑی بندوقیں، اسلحوں کی باقیات، خالی کارتوس، داغے گئے شیل اور بارود کی دبیز مگر پشیمان راکھ دکھائی دیتی تھی۔ کانوں کے اندر وقفے وقفے سے کچھ انسانوں کی فریاد بھری روہانسی آوازیں پڑ رہی تھیں یا پھر لاغر اور نیم مردہ کتوں کی غرغراہٹ اور معذور بلیوں کی چغاؤں پغاؤں۔ ناک میں بدبودار جھکولوں کے نوع بنوع بھبکے گھسے چلے جا رہے تھے اور جلے ہوئے بارود، مردہ انسانوں اور مرے ہوئے مال مویشی سب کی املغمہ بُو توپ دق زدہ ہواؤں کے دوش پر وحشتیں بکھیر رہی تھی۔

قطار اندر قطار گوروں اور اُن کی مقرر کردہ پلٹونیں اور بٹالین شہر پناہ کے گلی کوچوں اور دالانوں میں اپنی مکمل فتح کا یقین بڑھانے کے لیے پھیلتے چلے جا رہے تھے اور جنرل وہش کی کمان میں، جس کے دو قدم پیچھے لیفٹیننٹ ایڈورڈز بھی تھا، جب ایک بٹالین دلی دروازے سے دائیں کو مڑ کر سیدھا آبادی کی طرف جانے لگی تو غم و غصے اور انتقام کے جذبے سے سرشار ایک بوڑھی عورت، اَماں زہراں[11] نے، جس کی آنکھوں میں نیم مردہ ملتان کی تحریر اور اپنے مردہ خاندان کی تصویر تھی، نزدیکی گودام میں محفوظ بارود کے ذخیرے کو کپاس کی ایک بتی کے ذریعے شعلہ دکھا دیا۔ اِس سے پہلے کہ جان لیوا دھماکہ اُن کے چیتھڑے ہوا میں بکھیرتا ہوشیار گورے دور بھاگ گئے اور جاں باز بڑھیا غاصب جارحین کو نارِ غضب کا لقمۂ انصاف بنانے کا خواب آنکھوں میں لئے خاکستر ہو گئی۔

قلعے اور شہر پناہ کے باہر بھی صورتِ حال کوئی زیادہ مختلف نہیں تھی۔ ہر طرف عام شہریوں اور سپاہیوں کی لاشیں بکھری پڑی تھیں۔ لاشیں کیا تھیں، ہڈیوں کے ڈھانچے تھے یا پھر کچھ اعضا یہاں، وہاں ایسے بکھرے پڑے تھے جیسے وہ انسان نہ ہوں بلکہ لاوارث جانوروں کے کھانچے ہوں جنہیں شیر چیتوں نے شکم سیری کے بعد ادھورا چھوڑ دیا ہو۔ کہیں بازو، کہیں سر، کہیں ٹانگیں، کہیں دھڑ اور پھر کچھ تازہ اور کچھ باسی انسانی گوشت کی سڑاند الگ۔ آوارہ کُتے اور گیدڑ کئی دن سے اُن کی بوٹیاں نوچتے، لاشیں بھنبوڑتے اور ایک دوسرے سے چھینا جھپٹی کرتے رہے تھے جبکہ قلعے کے اِرد گرد چیلیں، کوے اور گدھ ماس خوری میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش میں بازو تولے منڈلائے ہوئے اُڑتے اور جھپٹتے پلٹتے پھرتے تھے۔ گویا جہاں جہاں تک اُن کی پرواز تھی وہاں وہاں تک وہ ملتان کی تاریخی شکست کا پیغام ارسال کر رہے تھے۔ کمپنی کی پارٹی میں بلکہ ''بون فائر''

11۔ یہ نام افسانوی ہے مگر واقعہ حقیقی ہے۔

میں ایک ایسا فرد بھی دکھائی پڑا جس کو کمپنی کے فوجی زندہ جلا رہے تھے۔ وہ گولی لگنے سے پہلے ہی زخمی تھا۔ اس کی ٹانگیں آگ میں تھیں مگر اس کی چیخیں آسمان تک بلند ہو رہی تھیں۔ تھوڑی ہی دیر میں اس کا پورا جسم آگ کی لپیٹ میں تھا اور زندہ جسم کے جلنے کی بُو سارے شہر میں پھیل گئی۔ (۴۳)

اندرون شہر کا کوئی کنواں ایسا نہیں تھا جو لہو کی دلدل میں دھنسی انسانی لاشوں کی ہڈیاں نہ گلا رہا ہو۔ کوئی بچ رہتا تو اُن کی تکفین و تدفین بھی کرتا اور اگر کچھ لوگ بچ بھی رہے تھے تو ان میں بیش تر خواتین جو اپنے شیر جوان بھائی، بیٹے اور شوہر لٹائے ہوش و حواس گنوائے دیوانہ وار گھومتی پھرتی تھیں اور پھر ایسی ہولناک تباہی کے بعد کس کے حواس میں دم تھا کہ وہ میتوں کو ٹھکانے لگاتا۔ میل ہا میل کھیت کھلیان بارود کی آتش فشانیوں سے راکھ کا ڈھیر بن چکے تھے اور آبپاشی کے لیے بنائے گئے کنوؤں میں پانی کے بجائے خون اور مُردگیاں تیرتی تھیں۔ ہر طرف تباہی اور انسانیت کی تذلیل چیختی تھی اور ''مہذب'' گوروں کی تہذیب افزائی کے ترانے گاتی تھی۔

اب کیا تھا، تمام کا تمام قلعہ ''کمپنی بہادر'' کے نرغے اور قبضے میں جا پڑا تھا۔ کیا سنگ و خشت، کیا محل مُنارے، کیا مُرجیاں اور چوبارے اور کیا انسان و حیوان یا اُن کا تنفس، کچھ بھی اُن کی دستبرد سے باقی نہیں بچا تھا۔ ہر طرف لہو کے پارچے کمپنی کی سفاکیت کے مرثیے سنا رہے تھے۔ مگر اب بھی وہ جنگلی سؤروں کی طرح قلعے کے کون و مکان میں اپنی تھوتھنی گھُما گھُما کر تسلی کر رہے تھے کہ کہیں کوئی اسلحہ بردار مجاہد، کوئی کماندار، یا ہمت براں سپاہی اُن کی تاک میں تو نہیں بیٹھا۔

قلعہ اب مکمل طور پر ایسٹ انڈیا کمپنی کے قبضے میں جا چکا تھا مگر اِس محاذ میں جان سے جانے والے افسروں اور اپنے بھاری نقصان کا قلق ان کو بھی کھائے جا رہا تھا کیوں کہ

ملتان کا قلعہ پکے ہوئے پھل کی مانند انگریزوں کی جھولی میں نہیں آن گرا تھا بلکہ تاریخی مزاحمت اور یادگار جانی خسارے کے بعد اُن کے ہاتھ لگا تھا۔

شومئی قسمت جولائی اگست 1849ء میں بارشیں اس قدر ہوئیں کہ دریائے چناب میں سیلاب اُمڈ آیا۔ ندی نالے بہہ نکلے۔ قلعہ کی دیواریں منہدم ہونے کی وجہ سے مٹی کی بنیادیں پہلے ہی برہنہ ہو چکی تھیں۔ بہت کچھ طوفانی بارشوں میں مزید بہہ گیا۔ 1857ء کے بعد 1947ء تک سیاسی حالات نے کچھ یوں کروٹ لی کہ یہ عظیم الشان قلعہ آج تک کبھی اپنی اصل شان پر بحال نہ کیا جا سکا۔

☆☆☆

تیرھواں باب

ملتانی خزانے کی غاصبانہ لوٹ مار

تمام تر تباہی اور بربادی کے بعد بھی ایک حملہ، ایک یلغار، ایک جارحیت اور ایک ڈکیتی ابھی باقی تھی جو شاید ہر فتح و کامرانی کا اولین اور آخری مقصد ہوتا ہے اور وہ تھا مال اسباب کی لُوٹ مار۔ قلعے کے محل اور مکانات کے اندر سونا، چاندی اور زر و جواہرات جس کے بارے میں گوروں اور خالصہ سرکار نے بہت افسانے سُن رکھے تھے اور اب وقت آ چکا تھا کہ وہ تمام تر قیمتی اشیاء اور نوادرات پر اپنا ہاتھ صاف کریں اور یہ عمل ایسٹ انڈیا کمپنی اور لاہور دربار کے سپاہیوں کے قلعہءِ ملتان میں داخل ہونے کے ساتھ ہی شروع ہو گیا کیونکہ مقامی آبادی کے کچھ لوگ اپنے گھروں کو بے یار و مددگار چھوڑ کر جا چکے تھے۔ کچھ کے در و دیوار مالکان خود ہی اُکھاڑ کر قلعے کی منڈیریں مضبوط کرنے کے لئے دان کر چکے تھے۔ جو مکین باقی بچے تھے، لُقمہءِ اَجل تھے۔ کچھ دروازوں پر تالے افسردگی کی تصویر بنے ٹھہرے تھے اور کچھ دروازوں کے اَدھ گرے تختے مکانوں کی مَسکنت کو بے پردہ کر رہے تھے۔ چھتیں اپنے زانوؤں پر بیٹھی تھیں اور مُنہدم دیواریں اجنبی دراندازوں کو بن دستک اندر آنے کی دعوت دے رہی تھیں۔ شاید ہندوستان کے اِس عظیم الشان قلعے کی یہی عصمت دری تھی جس کی جدوجہد میں ایسٹ انڈیا کمپنی اور رنجیت سنگھ کی منتشر انتظامیہ کئی مہینوں سے لگے ہوئے تھے۔

رسمی طور پر لیفٹیننٹ ایڈورڈز اور جنرل وہش نے مفتوحہ مال اسباب کو جمع کرنے اور پھر منظّم طریقے سے تقسیم کرنے کا نظام وضع کیا۔ کمیٹیاں بنائیں، خاص خاص مقامات پر گارڈز مقرر کیے۔ بہت سا مال اسباب اکھٹا کر کے کمپنی کی مقرر کردہ جگہوں پر رکھوایا اور

ایجنٹ مقرر کیے تا کہ حاصل شدہ سونا، چاندی اور نقدی کا حساب کتاب رکھا جائے اور حسبِ مراتب تقسیم کیا جا سکے۔ جس میں کمپنی بہادر اور تاجِ برطانیہ کا حصہ سب سے زیادہ تھا۔ جو کچھ اُٹھایا نہیں جا سکتا تھا وہیں پر کوڑیوں کے دام نیلام کر دیا گیا۔ یہ سب کچھ بھی ہوا لیکن موقع محل پر افراتفری اور لوٹ مار کا ایسا بازار گرم ہوا کہ بغیر حساب کتاب اور بغیر اندراج کے بھی سپاہیوں اور غیر رسمی عسکریوں نے جو پسند آیا اُڑس لیا، چھپا لیا۔ تاہم اسلحہ اور آلاتِ حرب و ضرب سیدھے کمپنی اور ریذیڈنٹ لاہور کے داخل دفتر ہو گئے۔ ''فرینڈ آف اِنڈیا'' (اُس وقت کے ایک اخبار) نے بڑی ڈھٹائی سے شہ سرخی میں لکھا کہ ''ملتان سے جو خزانہ دستیاب ہوا ہے وہ فاتحین کی ملکیت ہے اور پھر لوٹ مار اور خزانے کو اپنی دسترس میں لینے کے آفیشل فیصلے کی تائید کی'' (۴۴) اور اِسی پرچے نے یہ بھی رپورٹ کیا کہ ''سقوطِ ملتان کے بعد غیر معمولی خزانہ دریافت ہوا ہے۔'' اس خبر سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ''بیت المال'' کی مقدار اور مالیت کمپنی کی توقعات اور سُنی سنائی باتوں سے بڑھ کر تھی۔

مگر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی یلغار کے ابتدائی چند ایک ہفتے چھوڑ کر ملتان کے ہندو، مسلم کاریگروں اور تاجروں کا کم از کم برآمدی کاروبار ٹھپ ہو کر رہ گیا تھا۔ مولراج نے اپنے سپاہیوں کی تنخواہوں کی ادائیگی کے لیے سونے چاندی کے نسبتاً چھوٹے سکّے ڈھلوائے جو مُردہ اور نیم مُردہ سپاہیوں کی جیبوں اور گھروں سے اُڑا لئے گئے۔ جن گھروں اور دکانوں کو خلفشارِ جنگ کے آخری ایام میں لوگ چھوڑ چھاڑ کر کہیں باہر منتقل ہو گئے تھے اُن گھروں اور دکانوں کے تالے توڑے گئے اور صندوقوں، تجوریوں سے جو کچھ میسر ہوا، اُٹھا لیا گیا۔ آخری یلغار سے پہلے بھاگ کر جانے والے چند لوگوں کی دُکانیں اور گودام تو ویسے ہی اُن کی آسان دست بُرد میں تھے۔ یہ بتانا اَلبتہ مشکل ہوگا کہ کس تاجر، کس بینکار کے گھر سے کیا لُوٹا گیا مگر تمام ذرائع سے واضح ہے کہ لوٹ مار شرمناک حد

تک جزوّی اور کُلی تھی۔ جب بظاہر کمپنی کمانڈروں نے عسکریوں کو لوٹ مار سے منع کیا تو وہ متفرق گھروں سے اسلحہ تلاش کرنے کے بہانے خواتین کے سونے اور چاندی کے زیورات اور دوسری قیمتی اشیاء چرانے لگے۔

یقیناً دیوان مُولراج اور اُس کے باپ سانول مَل نے گزشتہ ستائیس، اٹھائیس برسوں میں مزدوروں، کسانوں، مویشی بانوں، کاریگروں، معماروں، کاشی کاروں، صناعوں، تاجروں اور دکانداروں سے جبری محصولات کی مد میں بہت روپیہ پیسا بٹور رکھا تھا۔ ملتان کے بَنیوں، تاجروں اور ساہوکاروں کے پاس اِس قدر مال و دولت تھی کہ اُنہوں نے غاصب فوج کو تیس ہزار پونڈ عوض میں آفر کیے جو کہ آج کے حساب سے گیارہ ارب پچیس کروڑ اور چار لاکھ سے کچھ اوپر رقم بنتی ہے بشرطیکہ وہ ملتان کی لُوٹ مار سے باز رہیں مگر لٹیرا برطانوی اور خالصہ افواج نے یہ پیشکش ٹھکرا دی۔ کیونکہ اُنہیں معلوم تھا کہ اِس سے کہیں بڑا خزانہ محض لُوٹ مار کے ذریعے اُن کے ہاتھ آنے والا ہے۔ (۴۵)

مُولراج کے اپنے آپ کو جنرل وہش اور کرنل کارٹلینڈ کے حوالے کرنے کے بعد کمپنی کی سپاہ اور حواری دیوان کے محل میں گھس گئے اور آس پاس اُمراء، مصاحبین، تاجروں اور دکانداروں کے گھروں میں بھی اور دِن دہاڑے مسلح ڈاکوؤں کی طرح جس کے ہاتھ جو کچھ آیا دونوں ہاتھوں سے سمیٹنے لگے۔

اگرچہ بہت کچھ جل چکا تھا لیکن پھر بھی قلعے کے اندر نمک، نیل، ہفیم اور بہت سی جڑی بوٹیوں، طب، جراحت اور پنسار کے سامان سے کئی کمرے بھرے پڑے تھے۔ گندم اور چاول کے چند ایک گودام اب بھی سرتاسر تھے۔ اِسی طرح جگہ جگہ چمڑے کے تھیلے خالص گھی سے پُر نظر آتے تھے۔ سلک اور سلکی شالوں کے تھانوں کے تھان دکانوں میں ٹھنسے ہوئے تھے اور سِلک ایسا مہین اور عالیشان تھا کہ اندھیرے میں جگمگا اُٹھتا تھا۔ تانبے کے

کنستر سونے کی اشرفیوں سے لبالب بھرے تھے۔ دیوان کے محل میں دَھن دولت ماسوا تھی۔ آنکھوں کو چکا چوند کرنے والے طلائی اور نقرئی زیورات، چوڑیاں، جُھمکے، جُھومر، گلوبند، انگوٹھیاں، پازیبیں اور پتہ نہیں کیا کچھ ہر دوسرے تیسرے گھر میں کچھ نہ کچھ قیمتی سامان ضرور تھا۔ تانبے کے ظروف اور منقش اشیائے صَرف تو شمار، قطار سے باہر تھے اور یہ سب کچھ علاوہ اُس کے تھا جو بارود کی تپش سے پگھل چکا تھا۔

کمپنی کے عسکری اور اُن کے مصاحبین جب مولراج کے محل میں داخل ہوئے تو دَھڑا دھڑ زیوارات، اشرفیوں اور سونے چاندی کی دوسری نوادرات کو دونوں ہاتھوں سے سمیٹ کر اپنے بوجوں میں ڈالنے لگے۔ سونے کی اشرفیاں، چاندی کے سکے اور دوسری قیمتی اشیاء اِس قدر زیادہ تھیں کی ہاتھ صاف کرنے والے ملازمین اور سپاہی تانبے کو تو ہاتھ تک نہیں لگاتے تھے اور اکثر تو چاندی کو بھی دُھتکار دیتے تھے۔ جب ایک طرح سے سرکاری خزانے اور ساہوکاروں کی مال و دولت کا صفایا کر دیا گیا تو عسکری اور نیم عسکری دستوں نے درباروں، مزاروں اور مَندروں کو بھی ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ وہاں سے بھی چندہ، چڑھاوے اور نذر نیاز جو کچھ بھی نظر آیا کمپنی اور خالصہ ہرکارے اُٹھا کر لے گئے اور باقی جمع پونجی مجاوروں اور پنڈتوں کے گھروں سے چُرا لی گئی۔

اَلغرض خزانہ اِس قدر زیادہ تھا کہ مقرر کردہ ملازمین کو یہ سب کچھ تولنے اور گننے میں تین دن لگے گئے۔ تب جا کر اُن کو اسلحہ لانے لے جانے والی ویگنوں میں لاد کر لاہور ریذیڈینٹ اور پھر وہاں سے لندن بھجوایا گیا۔ اُس وقت کے درست ترین تخمینے کے مطابق صرف مولراج کے محل سے ملنے والے خزانے کی مالیت تقریباً تیس ملین پاؤنڈز تھی جسے اگر پاونڈ سٹرلنگ کی موجودہ قیمت کے مطابق پاکستانی روپوں میں بدلا جائے تو لگ بھگ ایک کھرب بیاسی کروڑ روپے بنتے ہیں۔ متفرق ذرائع سے یہ بھی ثابت ہے کہ سارا خزانہ کمپنی

بہادر کے دفتر تک نہیں پہنچا۔ بہت سا مال تو لوٹ مار کے وقت اور باقی راستے میں ہی خورد برد کرلیا گیا۔(۴۶)

غیر رسمی قزاقیت، سرقہ اور اِخفاء کے باوجود بھی اتنا پیسہ بچ گیا کہ نچلے درجے کے تمام سپاہیوں کو رسمی طور پر بھی تقریباً آٹھ ہزار روپیہ فی سپاہی جیت کی خوشی میں انعام کے طور پر دیا گیا اور اِس اعلان کے ساتھ کہ یہ اُن کا بنیادی حق ہے۔

چند مہینوں تک برطانیہ کے مختلف اَخباروں، بالخصوص پارلیمان میں پالیسی بحث جاری رہی کہ جب کمپنی یا تاجِ برطانیہ کے عساکر کسی شہر یا قلعے کو فتح کرتے ہیں تو حاصل شدہ مال کتنا اور کس طرح اُن کا حق بن جاتا ہے اور اُسے کیسے تقسیم کیا جانا چاہیے۔ کتنا اور کیا افسران اور سبالٹرن (لوئر رینک سپاہیوں) کا حق بنتا ہے اور کتنا تاجِ برطانیہ لندن کو بھجوانا چاہیے۔(۴۷)

☆☆☆

چودھواں باب

مولراج کا سرنڈر

دراصل جنوری 1849ء شروع ہوتے ہی مولراج نے جنرل وہش اور لیفٹیننٹ ایڈورڈز کو معافی تلافی کی چٹھیاں لکھنا شروع کردی تھیں۔ 5 جنوری کو اُس نے میجر ایڈورڈز کو ایک عرضی لکھی جس میں معافی کی درخواست کی گئی تھی۔ ایڈورڈز نے جواب دیا کہ:

''تمہیں بغاوت سے پہلے یہ سب کچھ سوچنا چاہیے تھا۔ گزشتہ برس اپریل میں کچھ نہ کچھ ممکن تھا، تب تم نے صلح یا معافی کی درخواست نہ بھیجی بلکہ جنگ کا راستہ اختیار کیا اور ساتھ ہی یہ عرضی ریذیڈینٹ لاہور سر فریڈرک کُری کو بھجوادی۔''

دیوان مُولراج نے ایسی ہی ایک چٹھی جنرل وہش کو بھی ارسال کی تھی۔ جنرل وہش نے جواب دیا کہ:

''اگر تمہارا ایلچی سرنڈر کرنے کی درخواست لے کر آتا ہے تو ضرور لیکن اگر کوئی اور شرائط وغیرہ ہیں تو اُس کو آنے کی ضرورت نہیں اور ساتھ ہی یہ بھی طے پایا تھا کہ 9 جنوری کو صبح 9 بجے تمہارا دلی دروازے پر انتظار کیا جائے گا۔''

9 جنوری کی صبح جنرل وہش اور ایڈورڈ انتظار کرتے رہے لیکن مولراج کہیں سے برآمد نہ ہوا۔ یہ صورت حال دیکھتے ہوئے ایڈورڈز اور وہش کے کمانڈروں نے دوبارہ قلعے پر گولے برسانا شروع کردیے تھے۔

19 جنوری کو دیوان مولراج نے دوبارہ ایک عرضی جنرل وہش اور میجر ایڈورڈز کے نام لکھی اور کہا کہ:

''گزشتہ ہفتے باوجود آپ کے حکم کے مَیں علالت کے باعث دلی دروازے پر

سرِ تسلیم خم کرنے کے لیے حاضر نہ ہوسکا۔ اب میں اپنا ایک مصاحبِ خاص آپ کے پاس بھیج رہا ہوں۔ آپ کا یہ غلام آپ سے فقط اپنی زندگی اور اپنی عورتوں کی عصمت کے تحفظ کی ضمانت چاہتا ہے۔ گزشتہ برس اپریل میں جو کچھ بھی ہوا یہ سب میرے منہ زور سپاہیوں کا کیا دھرا ہے اور میرا قصور یہ ہے کہ میں باوجود کوشش کے اِس بغاوت کو رُکوا نہ سکا۔ میں صرف اپنی اور اپنی خواتین کی زندگی اور حرمت کی بھیک مانگتا ہوں۔ اگر میری یہ درخواست مان لی جائے تو میں شکست تسلیم کرنے اور اپنے آپ کو آپ کے حوالے کرنے کے لیے تیار ہوں۔ اگر آپ مجھے معاف کر دیں تو میں اپنی خوش قسمتی سمجھوں گا۔ ورنہ جو کچھ ہوگا اُسے مقدر کا لکھا سمجھ کر تسلیم کرلوں گا۔''

جنرل وہش نے جواب دیا: ''جہاں تک تمہاری زندگی کا تعلق ہے تو ماسوائے میدانِ جنگ کے مجھے نہ تو کسی کی زندگی لینے کا یا بخش دینے کا اختیار ہے اور جو معاملہ تمہاری عورتوں کا ہے تو برطانوی فوج مردوں سے لڑنا پسند کرتی ہے، عورتوں سے نہیں۔ ہماری تمہاری عورتوں سے کوئی دشمنی نہیں ہے اور ہم اُن کی عزت اور عصمت کے تحفظ کی ہر ممکن کوشش کریں گے۔ اگر تم سرنڈر کرنا چاہتے ہو تو کل صبح دلی دروازے کے باہر آ کر اپنے آپ کو ہمارے حوالے کر دو ورنہ ایک اور خوفناک حملے کا انتظار کرو۔

اگلے دن، جو ایک طوفانی بارش اور تیز ہواؤں والا دن تھا، صبح سویرے یعنی 22 جنوری 1849ء کو مولراج نے غسل کر کے مہراجوں والا بہترین لباس زیب تن کیا اور حسبِ وعدہ اپنے جزوی طور پر تباہ شدہ خوبصورت محل سے گھوڑے پر سوار ایک چھوٹے سے دَستے کے ہمراہ برآمد ہوا۔ اُس نے اور اُس کے دو درجن محافظوں اور تقریباً پانچ سو پچاس سپاہیوں نے بلا مزاحمت اور بلا تاخیر اپنا اسلحہ زمین پر دَھر دیا اور شکست تسلیم کر لی۔ مولراج کے ذاتی محافظ اپنے سردار کے احترام اور حزن و ملال پر قابو نہ رکھتے ہوئے سجدے میں گر گئے اور کچھ

اُس کی پوشاک چومتے رہے۔ مُولراج کم و بیش تین ماہ تک اپنے قلعے میں محبوس رہا تھا۔ ماسوائے چند ایک حملوں کے جن کی سرکردگی وہ خود باہر آ کر کر رہا تھا۔ آج اُس نے اپنے آپ کو باقاعدہ جنرل وہش کے حوالے کر دیا تھا۔

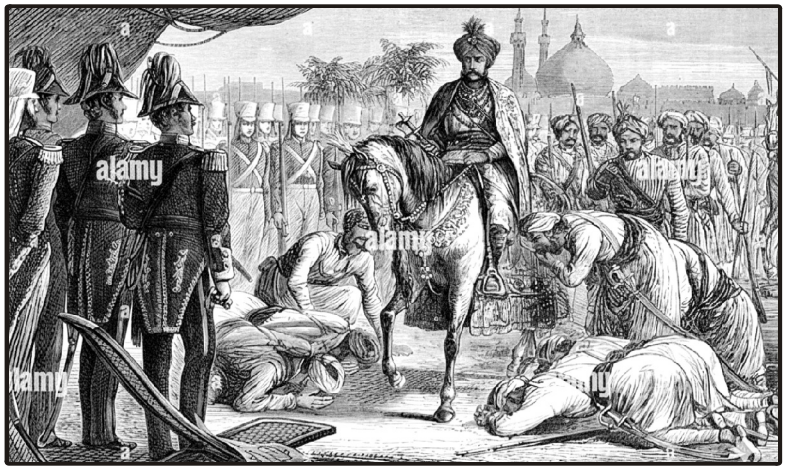

مُولراج اپنے آپ کو جنرل وہش اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے عسکریوں کے حوالے کرتے ہوئے

کمپنی نے گورے سپاہیوں کو علامتی طور پر النگ اور بُرجیوں کے اُوپر کھڑا کیا اور پھر قلعے کے تمام دروازوں پر جیک یونین (برطانوی پھریرا) لہرا دیا گیا جو نہ صرف اگلے سَو سالوں کی نوآبادتی تسلط کی داستان رقم کرنے والا تھا بلکہ ملتان کی انتظامی حیثیت کو مستقبل میں بھی بدلنے والا تھا۔ پھر انگریزوں کی طرف فتح کا اِعلان کرنے کے لیے بڑے اہتمام سے چند ایک گولے فضا میں داغے گئے جن کی گھن گرج اس بات کی غماز تھی کہ قلعوں کا قلعہ، یعنی دیوتا نُما ملتان کا قلعہ فتح کر لیا گیا ہے۔ گولے داغے جانے کی فاتحانہ صدا ابھی فضا میں گونج ہی رہی تھی کہ سارے ہندوستان میں یہ خبر جنگل میں آگ کی طرح پھیل گئی۔ یہ وہ دن تھا جب طویل مدت کے لیے ملتان کی جزوی اور کلی خودمختاری کا خاتمہ ہونے والا تھا۔

یہ خبر سنتے ہی ہنری لارنس نے، جو اس وقت انگلینڈ میں بیماری کی چھٹیوں پر تھا، فخر وانبساط کے ساتھ کہا کہ ''فرسٹ بیرن ہربرٹ کلائیو کے بعد شاید ہی کسی برٹش آفیسر نے ایسٹ انڈیا کمپنی کی اس قدر خدمت کی ہو جس قدر رابرٹ بینجمن ایڈورڈز نے کی ہے اور کہا کہ ''ایڈورڈز نے تنِ تنہا بغیر کسی رسمی تربیت کے ایک تاریخی معرکہ سر کیا ہے جس میں اُس کے شخصی ارادے اور عزم و ہمت کا بہت بڑا کردار ہے۔'' اِسی طرح اُس نے اس محاصرۂ ملتان میں شامل کمپنی بہادر کے دوسرے افسران اور خاص طور پر جنرل وہش اور جنرل وین کارٹلینڈ پر بھی تعریف وتحسین کے ڈونگرے برسائے۔ برٹش اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے کمانڈر اِن چیف سر ہف گف نے بھی (جسے بعد میں گجرات محاذ کا فاتح قرر دیا گیا)، ایڈورڈز کی غیر معمولی جیداری کی غیر معمولی توصیف کی۔ ہنری لارنس محاصرے کے دوران چھٹیوں پر انگلستان میں مقیم تھا جبکہ پہلے وہ ریذیڈنٹ لاہور رہا تھا۔ اس کے دور میں سکھ دربار میں عسکری خلفشار عروج پر تھا۔ جبکہ اس کا چھوٹا بھائی جاہن لارنس لاہور میں ہی کچھ انتظامی امور پر تعینات تھا لیکن ملتان پر یلغار میں کوئی براہِ راست کردار ادا نہیں کر رہا تھا۔ سڑکیں، نہریں اور انفراسٹرکچر بنانے میں اس کا اہم کردار تھا اور جنگ کے بعد بہت سے انتظامی امور کی وہ مکمل دیکھ بھال کر رہا تھا۔ اس کی انتظامی صلاحیتوں کی بنیاد پر ہی بعد میں اسے پنجاب کا پہلا چیف کمشنر مقرر کیا گیا۔

ایڈورڈز جب ستمبر 1849ء کو واپس پہنچا تو لندن اور شراپ شائر میں اُس کا ایک ہیرو کی طرح شاندار استقبال کیا گیا۔ اُسے میجر کے عہدے پر ترقی دی گئی۔ ملتان کے محاذ پر کامیابیوں کے صلے میں اُسے طلائی تمغہ دیا گیا۔ اکتوبر میں اُسے مزید ترقی دیتے ہوئے ''آرڈر آف باتھ'' میں شامل کر لیا گیا۔ (۴۸)

صرف یہی نہیں بلکہ ''ہاؤس آف کامنز'' اور ''ہاؤس آف لارڈز'' دونوں نے اُس

کی سپاس گزاری کی اور 12 جون 1850ء کو آکسفورڈ یونیورسٹی نے اُسے ''ڈاکٹر آف سول لاء'' کی اعزازی ڈگری سے نوازا۔ لندن اور لیورپول کے ''سوک بینکوئٹ'' نے بھی بڑی خاطر مدارت کی اور پھر وہ سارے اِنگلستان میں خطاب فرماتا رہا اور جگہ جگہ اپنی فتوحات اور ''کارناموں'' سے لدی پھدی کہانیاں کہتا پھرا۔ ''لارڈ آف رچمنڈ (سرے)'' نے باعثِ صد افتخار اپنی بیٹی ''ایما سڈنی'' کا ہاتھ اُس کے ہاتھ میں دے دیا۔ اُس کے پورٹرٹ بنائے گئے اور مجسمے نصب کئے گئے۔ اُس کا ہنری موذلے کا پورٹریٹ کافی معروف ہے جس میں اُسے ایک ہندوستانی نواب کی طرح دکھایا گیا ہے۔ (۴۹)

ہربرٹ بینجمن ایڈورڈز۔ 1850ء (پورٹریٹ از موزلے)

گرفتاری کے بعد 20 فروری 1849ء کو مولراج کو ایک ملزم اور جنگی قیدی کی طرح لاہور دربار لے جایا گیا۔ وہاں دیوان کے خلاف مقدمہ چلانے کے لئے مسٹر منسل، مسٹر منٹگمری اور کرنل پینی پر مشتمل ایک کمیشن بنایا گیا جس نے دو مہینوں کی قید و بند، ذلت اور رسوائی کے بعد اُس پر وانس اگنیو اور پیٹرک اینڈرسن کے قتل، برٹش حکومت (عرفِ عام میں کمپنی کی حکومت) اور خالصہ دربار کے خلاف بغاوت کے الزام میں نام نہاد سماعت کی (جس میں ملتان کے ہزاروں لوگوں کے قتل و غارت اور لوٹ مار کا کوئی ذکر نہیں تھا)، تمام

شواہد اپنے حق میں اکھٹے کرنے اور اپنی ہی جانب کے گواہان کو سننے کے بعد فیصلہ مولراج کے خلاف دیا گیا اور اسے 22 جون 1849ء کو موت کا پروانہ تھما دیا گیا۔ اسی طرح گوڈ رسنگھ کو اگنیو اور اینڈرسن کے قتل کی پاداش میں تختۂ دار پر لٹکا دیا گیا۔

مولراج نے گورنر جنرل ''جیمز براؤن رمسے'' کو رحم کی اپیل کلکتہ بھجوائی جس پر غور وخوض کے بعد مولراج کو شک کا فائدہ دیا گیا۔ یعنی یہ بات واضح نہیں تھی کہ آیا مولراج اگنیو اور اینڈرسن کے قتل کی سازش میں شامل تھا یا محض سپاہی اشتعال کی رو میں بہہ گئے تھے۔ اِس لئے اُس کی سزائے موت کو عمر قید میں بدل کر اُسے ''کالے پانی'' یعنی جزائر انڈیمان بھیج دیا گیا۔ اگلے ایک سال وہ کلکتہ میں زیرِ حراست رہا۔ لیکن 11 اگست 1851ء میں ذلت اور رسوائی کے نفسیاتی دباؤ کے تحت شدید بیمار پڑ گیا۔ اِسی حالت میں اُسے علاج یا علاج کے عذر تلے بنارس بھیج دیا گیا لیکن بنارس کے راستے میں ہی، یا تو بکسر کے نزدیک یا بکسر جیل میں پہنچتے ہی، موت نے اُسے آ لیا۔ یا پھر یوں کہیے کہ اب اُس کے پاس جینے کا کوئی جواز باقی نہیں رہا تھا۔ (۵۰)

جن انگریز اور دوسرے عسکریوں نے محاصرۂ ملتان میں شرکت کی ایسٹ انڈیا کمپنی نے ان کو یہ تمغہ عطا کیا

جن عسکریوں نے ملتان اور گجرات دونوں محاذوں میں شرکت کی ان کو یہ تمغہ دیا گیا

اس طرح سینکڑوں سالوں کی تاریخ میں کبھی مکمل آزاد، کبھی نیم آزاد، کبھی خودمختار اور کبھی نیم خودمختار، کبھی راجدھانی اور کبھی صوبہ ملتان کی پنج دریائی سرزمین کے آخری مگر متنازعہ فرمانروا ''مولراج'' کی فرمانروائی کا خاتمہ ہوا۔ ارادی یا حادثاتی بغاوت، ہندو مسلم، سکھ مسلم، خالصہ، ملتان، بدیشی جارحیت اور تل وطنی مزاحمت اور کئی مقامی نوابوں، رئیسوں، جاسوسوں اور اُجرتی سپاہیوں کی انگریز حمایت اور کشاکش میں شاید یہ کبھی طے نہیں کیا جا سکے گا کہ کون ہیرو تھا اور کون ولن؟ اور یہ کہ مولراج ہیرو تھا یا ایک حریص اور جابر حکمران؟ مگر یہ بات طے ہے کہ سرزمینِ ملتان سے محبت کرنے والے ہزاروں لوگ ضرور گمنام ہیرو ہیں جنہوں نے اپنی دھرتی کے تحفظ میں اپنی جانیں گنوائیں۔ جو خودمختار خطۂ ملتان کی حفاظت کے لیے آخری قلعہ تھے اور جس کے بعد مشرق کی سمت سے ملتان آنے والوں کی راہ میں کوئی رکاوٹ باقی نہ رہی۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ سقوطِ ملتان کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی نے گجرات کو بھی ایک سال کے اندر اندر تہہ تیغ کر ڈالا اور بڑی تیزی سے سِکھ ایمپائر بھی قلیل مدت میں ہی انگریزوں کے ہاتھوں تحلیل ہو گئی اور تاریخ نے یہ چشم کشا واقعہ بھی دیکھا کہ انگریزوں نے

اُنہیں پنجاب کی راجدھانی واپس کرنے کے وعدے پر جہاں جہاں اور جیسے جیسے خالصہ سرکار کو استعمال کیا وہ ایک بہت بڑی سازش اور دھوکا دہی کے سوا کچھ نہ تھا اور یہ کوئی پہلی بار نہ تھا، ایسٹ انڈیا کمپنی اور تاجِ برطانیہ کی نوآبادیاتی تاریخ میسور سے لے کر پنجاب تک ایسے عہد و پیمان سے بھر پڑی تھی۔

بکسر جیل جہاں دیوان مولراج نے 11 اگست 1858ء کو وفات پائی

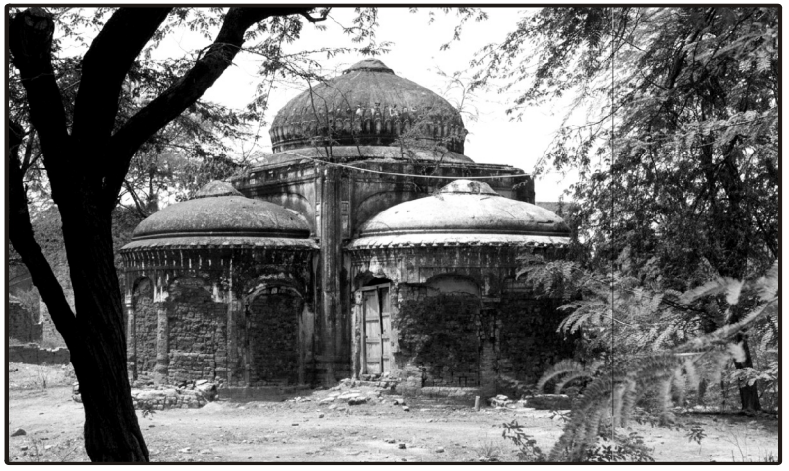

دیوان ساونل مل اور دیوان مولراج کی سمادھیاں (علی پور چٹھہ)

پندرہواں باب

برطانوی پارلیمان اور اخباری ردِعمل

اُنیسویں صدی کے آغاز اور بالخصوص ملکہ وکٹوریا کے دورِ شاہی (1837 تا 1901ء) میں برطانوی نوآبادیات اور اِستعماری قوت میں مسلسل اِضافہ ہو رہا تھا اور اِنگلیسی گُماشتے اپنی چابکدستی، عیاری، عسکری سفاکیت اور مقامی لوگوں کی پکڑ دھکڑ، مار دھاڑ اور غلام داری کے ذریعے ایک کے بعد ایک ملک پر اپنا کالونیل تسلط بڑھاتے چلے جا رہے تھے۔ برطانوی پارلیمان، ملکہ اور بادشاہ اَلبرٹ سب کے سب افریقہ اور ایشیاء کے وسائل سے بھرپور مگر عسکری لحاظ سے کمزور ملکوں کا مال و دولت ہتھیانے کو اپنا اعلیٰ ترین کارنامہ اور تاریخی کامیابی شمار کرتے تھے۔ اُن کا ایمان تھا کہ انگریز اور سفید فام اقوام دنیا کی بہترین اور مہذب ترین مخلوق ہیں اور اُنہیں پوری دنیا پر حکمرانی کرنے کا حق اور اختیار حاصل ہے۔ ایسے میں جب کسی نئے ملک یا کسی مقبوضہ ملک کے اندر کسی ریاست، علاقے، صوبے یا جاگیر کی اپنی سامراجی پیش رفت یا شمولیت کی اطلاع برطانوی پارلیمان اور اخبارات کے مدیروں تک پہنچتی تو ہر نئی ''کامیابی'' کو باقاعدہ سیلیبریٹ کیا جاتا تھا۔ پارلیمان میں متعلقہ عسکری جرنیلوں، میجروں، لیفٹیننٹوں اور ریذیڈینٹ گورنروں پر داد و تحسین کے ڈونگرے برسائے جاتے، تالیاں پیٹی جاتیں اور آفرین آفرین کے نعرے بلند ہوتے۔ ''برٹش ہال آف فیم'' میں اُن کی تصویریں لگائی جاتیں، مجسمے نصب کئے جاتے، ملوث افسران اور جنگجوؤں کی تعریف و توصیف اور جرأت مندانہ اقدامات پر ضمیمے شائع ہوتے، خطابات اور ترقیاں دی جاتیں اور ''ڈیوکس''، ''اَرلز'' اور ''بیرنز'' کی بیٹیوں اور شہزادیوں کے ساتھ بہادر فوجیوں کا دھوم دھام سے فخریہ بیاہ رچایا جاتا اور تو اور بعض اوقات اشرافیہ اور شہریوں کی تفریح کے لئے

ایسی نستو راور خونخوار فتوحات کو ڈرامائی شکل دے کر مہینوں تک معروف تھیٹر ہالوں میں ''بلاک بسٹر'' پیشکش کی جاتی تا کہ وہ بھی اپنے ''غاصبانہ اَیڈونچر'' سے لطف اندوز ہوسکیں۔ عمومی طور پر ایسی کسی بھی خبر پر جزیرۂ برطانیہ کے طول وعرض میں فخر وانبساط کی لہر دوڑ جاتی کیونکہ سامراجیت پسندی عمومی طور پر برطانوی عوام کے رگ وریشے میں سرایت کر چکی تھی۔

''روگ نیشن'' کے نظر ثانی شدہ تاریخی نقطہءِ نظر کے مطابق برطانوی پارلیمان اور پریس سامراجی لشکر کشی اور دور دراز خِطوں کی مقامی اقوام کے ارض وآب کو اپنے قبضہ وتصرف میں لانے کو ''اِستعمار پسندی'' اور ''مستشرقانہ'' نگاہ سے دیکھتے تھے، نوآبادیاتی علاقوں میں قدم جمانے کے لئے کسی بھی جبر، جارحیت، خوف، دہشت، بد قماشی، جھوٹ، مکاری، دھوکہ، فریب، لالچ، رشوت اور قتل وغارت پر نہ صرف صرفِ نظر کرتے تھے بلکہ اُسے فقید المثال اقدامِ جرأت وشجاعت قرار دیتے تھے۔ مقصد فقط نوآبادیاتی تسلط تھا اور بس۔

اسی ضمن میں جب قلعہءِ ملتان کی حتمی شکست وریخت اور قبضے کی اطلاع برطانوی پارلیمان تک پہنچی تو ممبرانِ پارلیمان نے لیفٹیننٹ ایڈورڈز، اور جنرل وہش کی ''دلاوری اور جوانمردی'' کو شاندار الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کیا۔ ''ہاؤس آف کامنز'' اور ''ہاؤس آف لارڈز'' تالیوں کے شور سے گونج اُٹھے۔ اِس تمام عمل میں بھیڑ بکریوں کی طرح معصوم لوگوں کے قتل حتیٰ کہ کئی خواتین کی آبروریزی کا بھی کوئی ذکر نہیں تھا۔ تھامس کرزن کے ''ہانسرڈ اخبار'' کی پارلیمانی رپورٹس کے مطابق اور 24 اور 25 اپریل 1849ء کو پارلیمان میں ''ووٹ آف تھینکس'' کے موشن میں ممبرز پارلیمان نے ملتان کے اِیسٹ اِنڈیا کمپنی کے تسلط میں آنے اور بیک وقت پنجاب پر سکھوں کی حکمرانی کے ختم ہونے کو تاریخی اقدام قرار دیا۔ لارڈ سٹینلے نے ملتان میں کمپنی کی افواج کو مبارکباد دی اور کہا کہ ''بلاشبہ ہمیں اپنے آپ کو، اپنے ملک کو اور سب سے بڑھ کر اپنی دلیر فوج کو مبارکباد دینی چاہئے۔ کیونکہ اُنہوں نے

بالآخر ایک ''منصفانہ مہم'' میں کامیابی حاصل کی''، جس پر پورے ہال نے ڈیسک بجا بجا کر چیئرز، چیئرز کا شورا مچایا۔ سر جاہن ہابس ہاؤس نے موشن پیش کرتے ہوئے برطانوی افواج کی یکے بعد دیگرے کئی ایک بہادرانہ اِقدامات کی تعریف کی اور ''فتحِ ملتان'' کو تاجِ برطانیہ کی عظیم الشان سلطنت کی کامیابیوں میں سے ایک یادگار اور اہم ترین کامیابی قرار دیا۔ اُس نے ملتان پر حملے کو لیفٹیننٹ اینڈرسن اور وانس اگنیو کے بے رحمانہ قتل کا جائز ترین انتقام قرار دیا۔ اُس نے کہا کہ ''برطانوی فوج دراصل ملتان کو دیون مولراج کے قبضے سے آزاد کروانا چاہتی تھی۔ (مولراج نے اُنہیں عسکری کارروائی پر مجبور کیا) اور تھوڑی بہت ابتدائی دشواریوں کے بعد آخرِ کار ''ہم'' یہ بغاوت کچلنے میں کامیاب ہوگئے اور یہ ایک ایسی فتح ہے جو یقیناً پارلیمنٹ کی سپاس گزاری کی مستحق ہے اور کہا گیا کہ ''ہاؤس آف کامنز اَرل ڈلہوزی کی شکر گزار ہے کیونکہ اُس نے اعلیٰ ترین جذبہ دکھانے کے ساتھ ساتھ تاجِ برطانیہ کے وسائل کو پنجاب کی عسکری فتوحات کے لئے بہترین طریقے سے اِستعمال کیا اور یہ کہ یہ ہاؤس لارڈ گف کی بھی گجرات کی فتح اور پھر ملتان فتح میں ''بہترین رویہ'' اختیار کرنے پر شکر گزار ہے اور سب سے بڑھ کر یہ ہاؤس جنرل ولیم سیمسن وہش کا بھی مشکور ہے کہ اُسی کی ہی نمایاں عسکری کارکردگی کے نتیجے میں ہم قلعہءِ ملتان کی تسخیر میں کامیاب رہے۔'' (۵۱)

اِکا دُکا رپورٹس کو چھوڑ کر برطانوی پریس نے سقوطِ ملتان کو اپنی بہت بڑی کامیابی قرار دیا اور اپنی فوج اور کمانڈروں کے بارے میں ''بہادر''، ''شجاع''، ''نڈر''، ''جرأت مند'' اور ''دلیر'' جیسے الفاظ استعمال کیے اور زور دیتے رہے کہ مؤثر گورننس کے لئے ملتان جیسی مزاحمتوں کو کچلنا نہایت ضروری ہے۔ قلعہءِ ملتان کے حصار کو منصفانہ اقدام قرار دیا گیا اور مولراج اور ملتانی سپاہ کو ''باغی''، ''غدار'' اور ''طبعی طور پر مزاحمت پسند'' وغیرہ جیسے الفاظ سے یاد کیا گیا اور پنجاب کو اپنے زیرِ تسلط علاقوں میں شامل کرنے کو نہ صرف بہت اہم سیاسی اور

جغرافیائی ضرورت بلکہ برطانوی سامراجی وسعت پسندی کے لیے بہت بڑی علامتی کامیابی قرار دیا گیا۔

دی ٹائمز نے 30 دسمبر 1848ء کو لکھا کہ ''ملتان کے خلاف برطانوی فوج کشی کو کئی ماہ ہو گئے ہیں اور جنرل وہش کے زیرِ کمان ہماری فوج قلعے کی دیواروں میں شگاف ڈالنے میں کامیاب ہو گئی ہے مگر دندان شکن مزاحمت اور اطراف کے جانی اور مالی نقصان کے بعد تاہم اگر موازنہ کیا جائے تو ہمارا جانی نقصان نہایت کم ہوا ہے۔'' جنوری 1849ء کے ایک اور شمارے کے مطابق ''ملتان اور ساکنانِ ملتان کو برطانوی راج اور تسلط سے آزاد رہنے کا کوئی حق نہیں تھا اور نہ ہی مزاحمت کرنے کا اور اِس اخبار کے مطابق ایشائی ذہن کا طبعی رجحان ہی بغاوت پر مائل رہتا ہے اور خاص خاص حالات میں اُن کی باغیانہ غیر تحکم پسندانہ رَو کو ضبط میں لانا نہایت مشکل ہو جاتا ہے۔'' اِسی اخبار نے کسی اور دن مزید لکھا کہ ''انگریز ہندوستان پر صرف ایک مفتوحہ ملک کے طور پر ہی حکمرانی کر سکتے ہیں اور کرنی چاہیے اور جو سفید فام شہری اور حکمران ہندوستان میں مقیم ہیں اُنہیں ہر طرح کی سہولیات اور مراعات کا مکمل حق اور اختیار حاصل ہے۔'' (۵۲)

''دی اِلسٹریٹڈ لندن نیوز'' نے لکھا کہ ''ہماری فوج جس بے جگری سے قلعے کی دیواروں کو پھاڑ کر اندر داخل ہوئی وہ بیان سے باہر ہے۔ مارے گئے مزاحمت کاروں کے خون سے گلیاں تر بتر تھیں اور زخمی لوگوں کی چیخیں مخدوش گھروں کی دیواروں سے ٹکرا رہی تھیں۔'' (2 جنوری 1849ء)[12]

15 جنوری 1849ء کو ''دی مارننگ کرانیکل'' رقمطراز ہوا کہ ''پہلے تو ایسٹ انڈیا کمپنی کی دیوان مولراج کو ہٹانے کی منطق ہماری سمجھ سے بالاتر ہے اور اُس پر مستزاد بنگال

12۔ اخبارات کے تراشتے اور بیانات تلاش کرنے میں اے آئی نے راقم الحروف کی بہت مدد کی۔

آرٹلری کی کمک کو اِس قدر تاخیر سے بھیجنا۔ نتیجتاً ہمارا ناقابلِ تلافی نقصان ہوا۔ اگر متعاون دستے بلا تاخیر بھیج دیے جاتے تو شاید مولراج کو اس قدر مزاحمت کی مہلت اور طاقت ہی میسر نہ آتی۔ اخبار آگے لکھتا ہے کہ محاصرۂ ملتان تاجِ برطانیہ کو ہر لحاظ سے مہنگا پڑا۔ یورپین رجمنٹس کو خطیر جانی نقصان اُٹھانا پڑا اور اِس پر جو اخراجات آئے، اُس کے اثرات طویل عرصے تک محسوس کیے جائیں گے۔'' (۵۳)

''مانچسٹر ایگزامینر'' نے 15 جنوری 1849ء کو اور پھر ایک دو بار دوبارہ بھی لکھا کہ ''اِس محاصرے کے دوران ملتان اور اِس کے اردگرد کے علاقوں سے کپاس کی فصل کی درآمد میں غیر معمولی کمی آئی ہے جس سے مانچسٹر کی مِلوں نے بہت نقصان اُٹھایا ہے اور یہ کہ کپاس سے لدے بحری جہازوں کے تعطل کی وجہ سے لنکاشائر میں پہلے ہی کپاس کی قیمتوں میں بے پناہ اِضافہ ہو چکا ہے۔''

''مارننگ کرانیکل'' (15 جنوری 1849ء) جنگ کے مختلف مناظر کو انتہائی ڈرامائی اسلوب اور انداز میں پیش کرتا رہا اور ملتان سے اِس اخبار کا نمائندہ شاندار الفاظ و انداز میں انگریزی پیش رفت اور خرچ ہونے والے وسائل اور اخراجات کا تذکرہ کرتا رہا اور جب کمپنی کی افواج قلعے کے اندر داخل ہوئیں تو اخبار نے منظر کشی کرتے ہوئے لکھا کہ ''ملتان کی گلیوں اور بازاروں میں کُشتوں کے پُشتے لگے ہوئے تھے۔'' گویا اُس نے رپورٹ کرتے ہوئے اپنے طور پر اِستعماری پیشرفت اور درکار قتل و غارت میں توازن پیدا کرنے کی کوشش کی۔ ''دی سکاٹس مین'' نے 24 جنوری 1849ء کو انبساط و مسرت سے لکھا کہ ''پنجاب میں آخری مزاحمت بھی پاش پاش ہو گئی۔ اب بہت جلد پنجاب بھی برطانوی سامراجی تسلط تلے آ جائے گا۔'' (۵۴) اِسی انداز میں چارلس ڈکنز کے لبرل اخبار ''دی ڈیلی نیوز'' نے 8 فروری 1849ء کو فاتحانہ انداز میں لکھا کہ ''شہر کے اندر لاشوں کے ٹیلے بنے

ہوئے تھے اور ہر موڑ، ہر گلی، ہر چوک پر جلے ہوئے انسانوں کی راکھ ٹھکانے تلاش کر رہی تھی اور تمام شہر میں گلی سڑی لاشوں پر لاکھوں کی تعداد میں مکھیاں ہفتوں تک بھوجن کرتی رہیں۔''[13] اِسی انداز میں تسکین و اِطمینان کا اظہار کرتے ہوئے ''لائیڈ کے اِلسٹریٹڈ سنڈے نیوز پیپر'' نے 25 فروری 1849ء کو لکھا کہ ''ہماری افواج نے ملتان اور اُس کے نواح کو بندوق کی گولیوں اور سنگینوں سے اُڑا کر رکھ دیا۔ کارزار کا ایسا شکوہ اور ایسی بے جگری شاید آپ کو کہیں اور دیکھنے میں نہ ملے۔'' ''ڈاؤن پیٹرک ریکارڈر'' نے فتح کے شادیانے بجاتے ہوئے اِسی خبر کو دہرایا مگر اپنے انداز میں، اور کہا کہ ''محاصرے کے دوران ہماری فوج نے بے مثال جرأت اور جیداری کا مظاہرہ کیا۔''

سقوطِ ملتان کے چار مہینے بعد تک برٹش اشرافیہ، شہزادے، شہزادیوں اور عام شہریوں کی تفریحِ طبع کے لیے ''دی فال آف ملتان'' پر تھیٹریکل جنگ کے مناظر پیش کیے جاتے رہے جس میں ایک اِنتہائی سفاک جنگ کو تھیٹر کی تمام تر جمالیات اور عصری تکنیکی مہارتوں، سَیٹ ڈیزائن اور بیک گراونڈ میوزک کے ساتھ پیش کیا گیا تا کہ ناظرین ''قتل و غارت کا ویسا ہی لُطف'' اُٹھا سکیں جیسا کہ کرنے والوں نے اُٹھایا۔ ایشلے کے ایمفی تھیٹر میں ملتان کے محاصرے کو نیم حقیقی شکل دے کر بہت بڑے کینوس میں دِکھایا گیا جس میں کمپنی کے فوجیوں کی یلغار، میگزین، بیٹری، آرٹلری اور ایمونیشن کے تباہ کُن ''جادو'' کی متاثر کن منظر بندی کی گئی۔ قلعے میں ہونے والے دھماکے اور پھر قلعے کی دیواروں میں رفتہ رفتہ پڑتے ہوئے شگاف اور پھر کمپنی اور خالصہ افواج کے فاتحانہ دخول کو بڑے آرٹ کے ساتھ پیش کیا گیا۔ کریمورن گارڈن کی کھلی فضا میں تماشائیوں کے ایک بہت بڑے مجمعے کو ملتان پر چڑھائی اور مختلف مناقشوں کے خاص خاص مناظر کو پس منظر میں آگ اور بارود کے دھماکوں کے ساتھ دکھایا گیا۔

13۔ ان خبروں کا ترجمہ کرتے ہوئے راقم الحروف نے انداز و اسلوب اور تشبیہات و استعارات اپنی طرف سے اختیار کیے۔

(یہاں ملتان میں موت، بیماری، زخمیوں کی آہ کراہ اور لوٹ مار پر عزیز و اقارِب کے آنسو نہیں تھمتے تھے اور وہاں لندن میں لوگوں کی آنکھوں میں فتح و مسرت کی چمک اور لبوں پر مسکراہٹ ختم ہونے کو نہیں آ رہی تھی)۔

''مانچسٹر ایگزامینر'' شاید وہ واحد اخبار تھا جس نے صورتِ حال پر تبصرے کے ساتھ ساتھ بائیں بازو کی ترقی پسندانہ پوزیشن اختیار کرتے ہوئے برٹش کالونیل اِستحصال پر تنقید کی اور 24 فروری 1849ء کو اخبار نے برملا کہا کہ ''ہمارے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ ہم اپنے قارئین کو محاصرہ کاروں کے اقدامات یا محاصرے کی کامیابی اور دوسرے معنوں میں مقامی لوگوں کے استحصال پر مبارکباد پیش کر سکیں۔ ہمارے خیال میں اس طرح کے آپریشنز اور اِس طرح کی کامیابیوں کی داد و تحسین کے غلغلوں میں سفاکانہ قتل و غارت اور لاپیمَا استحصال کو چھپایا یا دبایا نہیں جا سکتا۔ اخبار نے مزید لکھا کہ ہماری نظر میں ہمارے عسکریت پسند توسیع کاروں کو ہزاروں میل دور لوگوں کے خون سے ہولی کھیلنے کا کوئی اختیار نہیں ہے اور مقامی لوگوں کو ہر طرح سے اپنی زمین، اپنے وطن اور اپنی حکمرانی برقرار رکھنے کا حق حاصل ہے۔''

☆☆☆

ماخذات وحوالہ جات

1۔ جاوید اختر بھٹی (جنوری 2023ء): ناظمِ ملتان دیوان ساون مل: مورخین کی نظر میں، پورب اکیڈمی، لاہور

2۔ ایضاً

3۔ سید مراد شاہ گردیزی (1875ء)، تاریخ مراد، جلد چہارم، ذکر حالات دیوان ساون مل (1875ء) مذکورہ: ناظم ملتان: دیوان ساون مل، مرتبہ، جاوید اختر بھٹی (2023ء)، پورب اکیڈمی، لاہور

4۔ منشی حکم چند، (1888ء) عکسی ایڈیشن، بار دوم، جولائی 2010ء، ملتان، مذکورہ جاوید اختر بھٹی (جنوری 2023ء): ناظمِ ملتان دیوان ساون مل: مورخین کی نظر میں، پورب اکیڈمی، لاہور

5۔ قلعہ کہنہ ملتان کی قدامت اور تاریخی شکوہ کی علامت: احمد رضوان (30 اکتوبر 2016ء)
https //:www.express.pk/story/640725/qlah-khnh-mltan-ky -qdamt-awr-tarykhy-shkwh-ky-alamt-640725

6۔ احمد رضوان (16 ستمبر 2016ء) ملتان کے تاریخی دروازے۔۔۔گزر گئی ہیں صدیاں ان دروازوں سے، ایکسپریس نیوز
https //:www.express.pk/story/492658/mltan-ke-tarykhy-dr waze--gzrgy-hyn-sdyan -an-drwazwn-se-492658

7۔ جاوید اختر بھٹی (جنوری 2023ء): ناظمِ ملتان دیوان ساون مل: مورخین کی نظر میں، پورب اکیڈمی، لاہور

8. The mausoleum of Hazrat Bahaudin Zakriya. https //:auqaf.punjab.gov.pk/shrine_bahauddin_zakariya# :~:text=Bahauddin%20Zakariya%20(RA)

9. The Tomb of Hazrat Shah Rukn-e-Alam.https //:auqaf.punjab.gov.pk/shrine_ruknuddin

10. Parhaladpur Temple https //:en.wikipedia.org/wiki/Prahladpuri_Temple

11. Abdul Samad Khan Ansari.https //:en.wikipedia.org/wiki/Abd-al-Samad_Khan#:

12. Asian Historical Architecture https //:www.orientalarchitecture.com/ sid/1321/pakistan/Multan/shah-shams-sabzwari-tomb

13. John Jones Coley (1849). ASketch of the Siege of Multan, Calcutta

14. I.N. Cristopher's Visit to Multan as mentioned in John Jones Coley(1849). ASketch of the Siege of Multan, Calcutta.

15. Dr Muhammad Ali Sheikh (31March 2021). History:The British Conquest of Sindh. https //:www.dawn.com/

16۔ پروفیسر عزیز الدین احمد (2018ء) پنجاب اور بیرونی حملہ آور: پبلشر: بک ہوم بک، مزنگ روڈ، لاہور

17. The Sikh Encyclopedia :Cortland, Hennery Charles Van: https //:www.thesikhencyclopedia.com/cortlandt-henry-charles-van

18. Wikipedia. Siege of Multan (1848-1849). https //:en.wikipedia.org/wiki/Siege_of_Multan_) 1848%E2%80%931

19۔ شوکت مغل (2004ء)، ملتان دیاواراں، سوبھے دی وار (ص 220 تا 234)، سرائیکی ادبی بورڈ، ملتان

20. Amarpal Singh. The Siege of Multan as quoted in the Bloh by Rojer C:The Forces of the Nawab of Bahawalpur 2nd Anglo Sikh War and Operations Around Multan (10January 2021)http//:gapagnw.blogspot.com/2021/01/the-forces-of-nawab-of-Bahawalpur -2nd.html

21. John Jones Cole (1849). ASketch of the Siege of Multan, Calcutta

22. John Dunlop, Mooltan, a Series of Sketches, During and After the Siege :Twenty-one Drawings, from the sketches taken on the spot, by John Dunlop, M.D. Assistant Surgeon H.M.'s 32nd Regiment. And lithographed in Tints, by Andrew Maclure, with a descriptive and historical account of the siege, London :W.M.S Orr and Co, 1849.

23. John Jones Coley (1849). ASketch of the Siege of Multan, Calcutta

24۔ پروفیسر عزیز الدین احمد (2018ء) پنجاب اور بیرونی حملہ آور: پبلشر: بک ہوم بک، مزنگ روڈ، لاہور

25 . Khushwant Singh (1962). Ranjeet Singh:Maharaja of the Punjab as quoted in Ilhan Niaz (2010). The culture of Power and Governance in Pakistan (1947-2008), Oxford University Press, UK.

26۔ پروفیسر عزیز الدین احمد (2018ء) پنجاب اور بیرونی حملہ آور: پبلشر: بک ہوم بک، مزنگ روڈ، لاہور
27. Whish, Sir Willium Simpson, The Sikh Encyclopedia: https //:www.thesikhencyclopedia.com
28. John Jones Coley (1849). ASketch of the Siege of Multan, Calcutta
29. John Jones Coley (1849). ASketch of the Siege of Multan, Calcutta
30. Encyclopedia Britannica :https //:www.britannica.com/topic/Sikh-Wars /
31. Encyclopedia Brittanica https //:www.britannica.com /event /Second-Sikh-War
32. Major Herbert B. Edwards (1971). A Year on the Punjab Frontiers(1848-1849). Languages Department, Punjab.
33. Wikipedia :The Siege of Multan (1848 to 1849) https //:en.wikipedia.org/wiki/Siege_of_Multan.
34. Wikipedia :The Siege of Multan (1848 to 1849) https //:en.wikipedia.org/wiki/Siege_of_Multan.
35. Humaira Arif Dasti &Abida Kausar (2023). Multan at the time of colonial annexation.
36. Humaira Arif Dasti &Abida Kausar (2023). Multan at the time of colonial annexation.
37۔ مولانا نور احمد خان فریدی (1977ء)، تاریخ ملتان، جلد دوئم، ہمدرد پرنٹنگ پریس، ملتان
38. Humaira Arif Dasti &Abida Kausar (2023). Multan at the time of colonial annexation.
39. Humaira Arif Dasti &Abida Kausar (2023). Multan at the time of colonial annexation.
40. John Jones Coley (1849). ASketch of the Siege of Multan, Calcutta
41. Alasdair Hickson (8June 2021). Massacre at Multan as Redcoats Shoot the Elderly and Rape the Women (www.RogueNation.org)
42. Alasdair Hickson (8June 2021). Massacre at Multan as Redcoats Shoot the Elderly and Rape the Women

(www.RogueNation.org)
43. John Ryder (1853). Four Years'Service in India. Leicester (32 foot)
44. National Library of India (February 8, 1849). The plunder of Multan is the property of the captors.
45. Alisdair Hickson (8June 2021) Massacre at Multan as redcoats shoot the elderly and rape the women. www.roguenation.org /
46. Hansard (26 May 1851). The Punjab Booty.
47. Oxford Research Archive.
48. Henry Robert Edwards. https //:en.wikipedia.org/wiki/Herbert_Benjamin_Edwardes
49. Herbert Edwards Benjiman (1851) A year on the frontiers of Punjab, www.digitallibraryindia.com
50۔ شوکت مغل (2004) ملتان دیاواراں، سرائیکی ادبی بورڈ، ملتان
51. Hansard (24 April 1849). Military Operations in the Punjab : Vote of thanks.
52. Alisdair Hickson (8June 2021). Massacre at Multan as redcoats shoot the elderly and rape the women. https //:roguenation.org /massacre-at- multan-by-british-troops-1849 /
53. Siege of Multan (1848-1849). Facts for kids. www.kids.kiddle.co/
54. John Ryders Dispatch to the Bombay Fusilier (www.sikhiwiki.org)

☆☆☆